لاشریک
اظہار اثر

کوئی جہت نہیں میری کہیں حدود نہیں
میں لاشریک ہوں میرا کوئی وجود نہیں

اظہار اثر

انتساب

آنے والی نسلوں کے نام جو
میری سائنسی نظموں کو زیادہ بہتر
طور پر سمجھ سکیں گی۔

اظہار اثر

سالِ اشاعت ۱۹۸۸ء

تعداد	چھ سو
کتابت	اعجاز رقم قاسمی
طابع	برائٹ پرنٹرز۔ قرول باغ۔ نئی دھلی

قیمت
تیس روپے

سول ایجنٹ
سیمانت پرکاشن۔ ۹۲۲ کوچہ روح اللہ خاں
دریا گنج۔ نئی دھلی ۱۱۰۰۰۲

شکریہ

- محترمہ اوما واسودیو کا جنہوں نے میری کچھ نظموں کا انگریزی میں منظوم ترجمہ کیا اور اپنے موقر جریدے "دی سرج انٹرنیشنل" میں شائع کیا۔
- جناب وائی۔ این۔ سکسینہ کا۔ جنہوں نے اپنے قیمتی وقت میں سے کچھ وقت نکال کر میری سائنسی نظموں پر اپنی رائے کا اظہار کیا۔
- جناب افسر جمشید (ایڈیٹر روبی) کا جو میری سائنسی نظمیں اکثر اپنے رسالے میں شائع کرتے رہے ہیں اور اس کتاب کے لئے میری نظموں کا تعارف تحریر فرمایا۔
- جناب مخمور سعیدی کا جنہوں نے نظموں کے انتخاب میں دوستانہ مشوروں سے نوازا۔

اظہار اثر

مُصنّف کی دوسری مطبوعات

نظم

بشارت (غزلوں کا پہلا مجموعہ)

نثر

ناگن (پہلا ناول۔ پانچ جلدوں میں)
ناگن دوم
شیمونہ
خونی ڈاکٹر
گلابی موت
دو آنکھیں (سماجی ناول)
مہرباں کیسے کیسے (سماجی ناول)
ثمر (سماجی ناول)
انارکلی کی واپسی (طویل ڈرامہ)

زیرِ طبع

اظہار اثر کے سائنسی افسانے
اظہار اثر کے رومانی افسانے
اظہار اثر کے آسیبی افسانے
اظہار اثر کے جاسوسی افسانے
میرے پسندیدہ افسانے

آدھی قیامت (سائنسی ناول)
بیس ہزار سال بعد (سائنسی ناول)
مشینوں کی بغاوت (سائنسی ناول)
شیطان (سائنسی ناول)
موت کے بعد (آسیبی ناول)
بھوتوں کا شہر (آسیبی ناول)
دہلے پر نہلا (جاسوسی ناول)
سُنہری دھوپ (جاسوسی ناول)
پتھر کی لاش (جاسوسی ناول)
افسانوں کے تین مجموعے جو ۵۲-۵۴ء ۱۹ میں شائع ہوئے

فرعونہ (آسیبی ناول)
سائنس کیا ہے (سائنسی مضامین کا مجموعہ)
عصری تنقید (تنقیدی مضامین)

بچّوں کے لئے

ہمارا جسم (ترجمہ)
سانپ ہمارے آس پاس (ترجمہ)

احسان دانشؔ

نئے اسلوب کا آزادانہ علم

(قبلہ استاد احسان دانش (مرحوم) نے یہ مضمون سنہ ۱۹۸۱ء میں تحریر فرمایا تھا۔ انجم اختر)

اظہار اثر ایسا انسان ہے کہ اس کے احاطہ شعری میں مفاہمت کا خانہ نہیں ملے گا بلکہ اس کی متنوع فطرت کی جدلی اور منہ زور قوت نظر آئے گی۔ میں نے ان کی شاعری کے ساتھ ان کی ذات کو رکھ کر صانع و مصنوع کا تقابلی مطالعہ کیا ہے تو قلم کو جنبش دی ہے اور یہ ایسی جنبش ہوئی کہ اس مختصر دیباچے کے ہر فقرے سے کئی کئی دیباچے لکھے جا سکتے ہیں۔ اظہار اثر نے غزل کو ایک ایسا توانا اسلوب دیا ہے جو وقت کی رفتار کے ساتھ قدم سے قدم ملا کر چلتا ہے۔ اس کی تحریروں میں تمام انسانی اور فکری امکانات اپنی تکمیل کی طرف گامزن ہیں۔

چودھویں صدی کے بعد اظہار اثر نے تو یہ سمجھ لیا ہے کہ انسانی ترقی کا راستہ فراخ ہو گیا اور زنجیروں کو زنگ کھا گیا ہے اور شعر کے لئے اس کی تازگی اور شادابی کا راز اسی علاحدگی میں مضمر ہے۔ اظہار اثر کے یہاں موضوعات اور مضامین کا تنوع بتاتا ہے کہ استعارہ اور تشبیہہ کے علاوہ لفظیات کا جادو چلتا ہی رہے گا اور سائنسی رموز و غوامض بیان ہوتے ہی رہیں گے اور ایسے لوگ نمونتاً پیش ہوتے رہیں گے۔

اظہار اثر نے ہیئت آفرینی اور پیکر تراشی سے دامن نہیں بچایا تاکہ رجعت پسندوں کو معلوم ہو جائے کہ بیس بائیس برس کے بعد ایک ایسی نسل آتی ہے جو اپنا علم لے کر اٹھتی ہے۔

اظہار اثر کا احساس صورت گری نہیں سیرت گری کا ماہر ہے اور اظہار بیان کے امکانات تک اپنے کینوس کو پھیلاتا ہی جا رہا ہے۔

اظہار اثر کے یہاں ذات و کائنات کے مظاہر اور باطنی اشارات کی اس قدر

بتاتا ہے کہ وہ ایک ادارہ طلب کرتے ہیں۔ اظہار اثر کے یہاں ہر لفظ اپنے معنی پر اصرار کرتا ہے اور فکری بلندیوں کی اصطلاحات کی تلاش میں ہے۔ وہ اسم اور اشیاء کے ایسے معنی بیان کرنا چاہتا ہے جو اس کی فکری قوت اور تخیلاتی صلاحیت سے ایک جان ہو جاتے ہیں۔

اظہار اثر انسان کو مختلف خانوں میں تقسیم کرنے کا عادی نہیں بلکہ اپنے عملِ خامہ سے انہیں کم کرتا چلا جاتا ہے اور اس کا یہ عمل مذاہب کی کور تک پھیل گیا ہے۔ اظہار اثر دنیا کے مناظر کو تیزی سے بدلتے دیکھ کر تصور و خیال کے آئینے کو بھی نچاتا رہتا ہے اس لیے اس کا ہر لفظ اور ہر خیال متحرک معلوم ہوتا ہے۔ اظہار اثر پانی کی طرف لٹکی ہوئی شاخ کے سائے کی طرح منجمد نہیں بلکہ ہواؤں اور ان کے شور کا ساتھ بھی دیتا ہے۔ وہ شام کی شفق کے وقت گھومتے ہوئے بھنور سے خلاؤں کا جائزہ بھی لیتا ہے اور ساحل کے ہجوم کی مردم شماری بھی کرتا ہے۔

اس کے یہاں روایت کا احترام بھی ہے کیوں کہ روایت سینکڑوں تجربات اور مشاہدات سے چھن کر عالم آشنا ہوتی ہے لیکن ان کے گنبد میں طرزِ نوی کی گونج ان کو تقلید و پیروی کی راہوں سے الگ تھلگ چلنے پر اکساتی ہے مگر یہ جنونِ سفر مسرت و نشاط کو اپنا حق دیتا ہے اور حصار تنگ نہیں کرتا، لیکن مجھے تو کیا شاید اسے بھی اس کی خبر نہیں کہ اس کی شاعری میں اور اس کے کرب و انبساط میں جو خلش کام کرتی ہے وہ کس کا عطیہ ہے۔

اظہار اثر کی تربیت تو قدامت کے محراب میں ہوئی ہے لیکن اس کا تجسس تیکھا اور طبیعت جدت پسند ہے اور اس کی جھانکیاں ان کے دالان میں کھلتی ہیں۔ اظہار اثر کا احساس جب الفاظ کی قبا پہن کر اپنا تعارف کراتا ہے تو سینکڑوں ادیب بجھتے ہوئے دیئے کی طرح ہونٹ چاٹنے لگتے ہیں اس میں سینکڑوں آئینے اس کی اداسیوں، تنہائیوں اور ناکامیوں کا تعارف بھی کراتے ہیں اور بے شمار اظہار بیان

کے جراثیم کلبلاتے دکھائی دینے لگتے ہیں۔

اظہار اثر چودھویں صدی کے کمرے سے نکل کر پندرہویں صدی کے آنگن میں آئے ہیں اور عہد جدید میں ایک نئے اسلوب کا آزادانہ علم بند کر کے آئے ہیں اور ان کے چوگرد مایوسی کی دھول چھٹتی نظر آنے لگی ہے۔

اظہار اثر کی شاعری سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے اپنی راہ حیات کے نشیب و فراز کو بے نیازانہ طے نہیں کیا بلکہ اول سے چھٹی حس بیدار ملی ہے جو ان کی شاعری میں فکری قوتوں کو بیدار رکھتی ہے۔

اظہار اثر اصل میں اس قبیلے کے انسان ہیں جنہیں نظر ڈھونڈتی اور قیاس پہچانتا ہے اور ریاضت ان کی اعصابی دنیا میں بیداری کے چراغ جلاتی پھرتی ہے حالاں کہ چراغ خود منزل نہیں صرف راہ دکھاتا ہے مگر تحرک و حیات کا خیر مقدم کرتی ہے۔ ان کی شاعری کا قرینہ سکون طلب نہیں بلکہ کاوش پسند ہے اور بزمیہ شاعری سے الگ تھلگ اپنی بستی بسانے کی فکر میں ہے۔ حیرت ہے کہ ان کی رمزیت اور نزاکت احساس ہر مقام پر اپنا ثبوت دیتی ہے۔ زندگی کی سطح پر ان کے ناخنوں کی خراشیں مرتسم ہیں اور یہی ان کے سعی و عمل کے ساتھ ان کی نظر کی غواصی کا نتیجہ ہے۔

ان کا مزاج قدامت کے کمرے سے نکل کر جدیدیت کے دالان میں ٹہل رہا ہے۔ اگر یہ اپنی شہرت کے شہد میں لت پت ہو کر گمراہ نہ ہوا تو مستقبل میں دمدار ستارہ سے کم نہ ہوگا اس کی تقلید ایک پوری نسل کرے گی کیوں کہ ابھی انسانیت کا درس اس کے مقصود کی نعمت سے خالی نہیں ہے اور انسان امید سے خالی نہیں اسے ایسے ہی سپوتوں کی ضرورت ہے۔

مستقبل کا شاعر

اسے ستم ظریفی ہی کہا جاسکتا ہے کہ سائنس کے ایک آدمی کو شاعری پر کچھ لکھنے کو کہا جائے۔ اور اس سے بھی بڑی ستم ظریفی یہ ہے کہ سائنس کا وہ آدمی یعنی میں لکھنے کو تیار ہو گیا۔ اس کی وجہ دراصل یہ ہے کہ اظہار اثر میرے دوست ہیں، لیکن یہ چند صفحات لکھنے کی اصل وجہ اظہار اثر کی دوستی سے بھی زیادہ ان کی شاعری کا وہ حصہ ہے جس نے مجھے متاثر کیا۔

میں اردو شاعری کے بارے میں کتنا جانتا ہوں اس بارے میں کچھ بتاتا چلوں تاکہ آپ میری خامیوں پر زیادہ توجہ نہ دیں۔ میں نے ایک کائستھ گھرانے میں آنکھ کھولی تھی۔ میری دادی مرحومہ اردو فارسی کی عالم تھیں۔ والد مرحوم بھی اردو فارسی کے دلدادہ تھے۔ حد یہ ہے کہ ہمارے گھر میں "استتی" بھی اردو اور فارسی میں ہوتی تھی۔

گھر میں اردو فارسی کا ماحول ہونے کے باعث بچپن سے ہی میر، غالب، اقبال جیسے شاعروں کو پڑھنے کا موقعہ ملا۔ جس سے اردو شاعری کو سمجھنے کا کچھ سلیقہ آیا۔ اسکول کے زمانے میں خود بھی اردو پڑھی۔ والد نے اردو ادب کو سمجھنے میں رہنمائی کی۔ اسکول کے زمانے میں دو ایک بار شعر کہنے کا بھی شوق پیدا ہوا لیکن جلد ہی محسوس کر لیا کہ صلاحیت نہیں اس لئے شاعری کا خیال چھوڑ کر ساری توجہ دوسرے مضامین پر لگا دی۔

یہ میرے اس مضمون کی تمہید تھی جو میری بجائے کسی نقاد یا ادیب کو لکھنا چاہئے تھا۔ لیکن میں اوپر کہہ آیا ہوں کہ اظہار اثر کی شاعری کے ایک خاص حصہ نے مجھے بہت کچھ سوچنے اور یہ مضمون لکھنے پر اکسایا ورنہ تو جب اظہار نے مجھ سے اپنی شاعری پر کچھ لکھنے کو کہا تھا تو مجھے ان سے کہنا چاہئے تھا "میاں تم گول پیچ کو چوکور سوراخ میں فٹ کرنے کی کوشش کر رہے ہو۔ میں سائنس کا آدمی ادب سے میرا کیا واسطہ ؟" مگر میں یہ بات نہ کہہ سکا کیوں کہ

اظہار کی بہت سی نظمیں اردو رسالوں میں میری نظر سے گزر چکی تھیں اور خود اظہار سے بھی میں ان کی نظمیں سن چکا تھا اور ان نظموں نے ہمیشہ ہی مجھے حیران کیا تھا۔ جدید اردو شاعری کے بارے میں بہت زیادہ نہ جانتے ہوئے بھی مجھے اظہار کی وہ نظمیں پڑھ کر اور سن کر احساس ہوتا تھا کہ کچھ عجیب سی نظمیں ہیں جنہیں میں OFF BEAT نظمیں کہہ سکتا ہوں۔

آج تک شاعری کے بارے میں یہ سمجھا جاتا رہا ہے کہ شاعری یا تو رزمیہ ہوتی ہے یا بزمیہ۔ یعنی یا تو رومانٹک ہوتی ہے یا پھر انقلابی۔ لیکن اظہار نے اردو شاعری میں ایک تیسری قسم کی شاعری کی بنیاد ڈالی ہے جس کے لئے فی الحال میں سائنسی شاعری کا ہی نام سوچ سکا ہوں ــــــ اظہار کی شاعری پڑھنے والے یا اردو ادب کے نقاد شاید اسے کوئی اور نام دے سکیں۔ بہت پہلے اظہار اثر کی ایک گفتگو ریڈیو سے نشر ہوئی تھی جس میں انہوں نے اردو شاعری پر سائنس کے اثر کا تجزیہ کیا تھا اور قدیم شعرا کے شعروں میں بھی سائنسی ایجادات کی جھلکیاں تلاش کی تھیں۔ مجھے اس گفتگو کی صرف ایک بات یاد ہے۔ اظہار نے کہا تھا کہ آئینہ سے متعلق اردو شاعری میں اتنے اشعار ہیں کہ کسی دوسری زبان کی شاعری میں نہیں ملتے۔ آئینہ یا شیشہ ایک سائنسی ایجاد ہے۔ اگر شیشہ نہ بنتا اور اس کے بعد اس کو آئینہ نہ بنایا جاتا تو اردو شاعری سینکڑوں اچھے شعروں سے محروم رہ جاتی۔ اظہار کی اس بات میں کس قدر سچائی ہے اس کے ثبوت میں آئینہ سے متعلق میں کچھ شعر پیش کرتا ہوں۔

تو بچا بچا کے نہ رکھ اسے ترا آئینہ ہے وہ آئینہ
جو شکستہ ہو تو عزیز تر ہے نگاہِ آئینہ ساز میں

ایک اور شعر یاد آیا۔

رُخِ مصطفےٰ ہے وہ آئینہ کہ اب ایسا کوئی بھی آئینہ
نہ ہماری بزمِ خیال میں نہ دکانِ آئینہ ساز میں

کسی استاد کا شعر ہے۔

آئینہ دیکھ اپنا سا منہ لے کے رہ گئے
صاحب کو دل نہ دینے پہ کتنا غرور تھا

ان اشعار سے ثابت ہوتا ہے کہ شیشہ کی دریافت اور آئینہ کی ایجاد نے اردو شاعری کو بہت کچھ دیا ہے۔ شیشہ کو آئینہ بنانے کا فن بھی ایک سائنسی دریافت ہی ہے۔ اگر میری یادداشت غلطی نہیں کرتی تو شیشہ کے پیچھے پارے کی تہہ چڑھا کر آئینہ بنانے کا فن سب سے پہلے یوروپ کے شہر وینس میں شروع ہوا تھا۔ وینس کے باشندے اس فن کو صدیوں تک عام دنیا سے چھپائے رہے۔ سینہ بہ سینہ یہ فن نسل در نسل پرورش پاتا رہا۔ پھر آخر عام ہو گیا۔ کہنے کا مطلب یہ ہے کہ شیشہ کی دریافت سے لے کر آئینہ بننے تک کا پورا عمل سائنسی ہے اور یہی سائنسی دریافت اردو شاعری کا بہت بڑا حصہ بن چکی ہے۔

اظہار اثر نے اس میدان میں ایک قدم اور آگے بڑھایا ہے۔ ان کی ایک مختصر سی نظم سب سے پہلے میں نے ایک مشاعرے میں سنی تھی۔ نظم اس طرح ہے۔

کبھی میں تھا اک روشن ستارہ
خلا کی تیرگی کو بخشتا تھا نور میں بھی
مگر اب تو قتیلِ وقت ہو کر رہ گیا ہوں

مرے اندر اندھیرا بڑھ رہا تھا
میں اپنی روشنی خود پی گیا ہوں

اس نظم پر اظہار کو بڑی داد ملی۔ میں بھی جھوم گیا، لیکن دوسرے ہی لمحہ میں چونک پڑا۔ مجھے ایسا لگا جیسے بجلی کا کرنٹ میرے اندر دوڑ گیا ہو۔ پہلی بار میں نے نظم کے صرف سطحی رنگوں کو دیکھا تھا، لیکن جب دوسری بار نظم کا آخری مصرعہ "میں اپنی روشنی خود پی گیا ہوں" میں نے دل ہی دل میں دہرایا تو میں جیسے اس نظم کی اتھاہ گہرائی میں اترتا چلا گیا کیوں کہ نظم کی سطحی رنگوں کی تہہ میں ایک خطرناک قسم کی قوتِ کشش کام کر رہی

تھی ۔ جی ہاں ۔ کشش جسے انگریزی میں GRAVITY کہا جاتا ہے ۔

میں چوں کہ اظہار کے مزاج سے واقف ہوں اس لئے مجھے یہ سمجھنے میں ذرا بھی دیر نہ لگی یہ سطحی رنگ نظم کی گہرائی اور GRAVITY کے ہی رنگ ہیں ۔ اظہار نے ایک سائنسی دریافت کو اپنے جذبات کے لئے ذریعہ اظہار بنایا تھا ۔

سیاہ سورج ۔ دراصل بلیک ہولز BLACK HOLES کو کہا جاتا ہے ۔ اور بلیک ہولز کی تھیوری ابھی ۴۰، ۴۵ سال سے سامنے آئی ہے ۔ سائنس فکشن میں بلیک ہولز کو سیاہ سورج پہلے سے لکھتے چلے آرہے ہیں ۔ ماہر فلکیات سائنس دانوں کے مطابق بلیک ہول بھی سورج ہوتے ہیں ۔ لیکن ان سورجوں میں قوت کشش اس قدر بڑھ جاتی ہے کہ وہ اپنی روشنی کو بھی باہر نہیں نکلنے دیتے بلکہ اپنی طرف کھینچ کر اپنے اندر جذب کر لیتے ہیں اسی لئے وہ نظر نہیں آسکتے بلکہ اردگرد کی خلا میں ہونے والی اتھل پتھل سے ان کا پتہ چلایا جاتا ہے ۔ اور کسی سورج کی یہ اسٹیج اس وقت آتی ہے جب واقعی وہ "قتیلِ وقت" ہو جاتا ہے ۔ تمام سورج پیدا ہوتے ہیں جوان ہوتے ہیں اور بوڑھے ہونے کے بعد کچھ "سرخ بونے" بن جاتے ہیں کچھ نیوٹرون اسٹار بن جاتے ہیں ۔ کچھ پلیسر بن جاتے ہیں انہیں میں سے کچھ سیاہ سورج بن جاتے ہیں ۔ بہر حال میں زیادہ تفصیل میں جاکر آپ کی طبیعت کو بدمزہ نہیں کرنا چاہتا ۔ کہنے کا مقصد یہ ہے کہ سیاہ سورج کی یہ تفصیل جاننے کے بعد آپ اظہار اثر کی نظم سیاہ سورج پڑھئے اور محسوس کیجئے ۔ شاید میری طرح آپ بھی اس کا لطف دوبالا محسوس کر سکیں ۔ ویسے سورجوں کے پیدا ہونے سے لے کر مرنے تک کا پورا CYCLE اظہار نے خود اپنی نظم "پیدائش ایک سورج کی" میں نظم کر دیا ہے ۔ جس میں انہوں نے اپنی قلبی واردات کو فطرت کے اس PHENOMENON کی شکل میں پیش کیا ہے ۔

کسی کسی نظم کو اظہار اثر نے پہیلی بھی بنا دیا ہے ۔ مثلاً اس مجموعہ میں ایک نظم ہے "خدا تو نہیں ہوں"، اس عنوان سے ظاہر ہے کہ اپنا تعارف کرانے والا خدا تو نہیں ہے مگر کچھ ہے ضرور جس میں خدا جیسی کچھ صفات آگئی ہیں ۔ آخر وہ کیا چیز ہو سکتی ہے ؟ پہیلی کا

جواب اسی نظم کے ایک مصرعہ میں ہے۔

ع کہ میں تو عناصر کی ترتیب کی ابتدا ہوں

فطرت میں بانوے عناصر پائے جاتے ہیں۔ عناصر کی ترتیب میں سب سے پہلا عنصر ہائیڈروجن ہوتا ہے۔ ہائیڈروجن گیس بڑی مقدار میں پوری کائنات میں پائی جاتی ہے۔ اس کی اہمیت کی صرف دو مثالیں دوں گا۔ پانی بننے کے لئے آکسیجن کے ایک ایٹم کے ساتھ ہائیڈروجن کے دو ایٹم ہونا ضروری ہوتا ہے اور دوسری مثال یہ ہے کہ کائنات میں جتنے سورج ہیں (معہ ہمارے سورج کے) سب میں ہائیڈروجن گیس کے ایٹموں کے نیوکلس مل کر ہیلیم گیس کے مرکزوں میں تبدیل ہوتے رہتے ہیں جس کی وجہ سے سورج میں یہ حرارت ہے۔ اسی تھیوری پہ ہائیڈروجن بم بنایا جاتا ہے۔ اور یہ تو سب جانتے ہیں کہ حرارت اور پانی کسی بھی حیات کے لئے اشد ضروری ہیں اس لئے یہ نظم بہت گہرائی تک لے جاتی ہے۔

ایک اور نظم اس مجموعہ میں شامل ہے جس کا عنوان ہے "بے نام کرن" یہ بے نام کرن دراصل صرف شاعری میں بے نام ہے ورنہ اس کا ایک نام ہے۔ ہم سائنس داں اس کرن کو "کاسمک ریز" کہتے ہیں جو لاکھوں سالوں سے خلاؤں کا سینہ چیرتی سفر میں ہیں اور شاید ہمیشہ رہیں گی۔ ان کاسمک ریز یا کائناتی شعاعوں سے ہی ہمیں ناقابل تصور فاصلوں پر خلاء میں پھیلے نامعلوم سورجوں اور کہکشاؤں کا پتہ چلتا ہے۔

اظہار اثر کی نظم "لاخواب" میں سائنس سے زیادہ فلسفہ ہے۔ ویدانت یا صوفی ازم میں انسان اور خدا میں کُل اور جزو کا رشتہ مانا جاتا ہے۔ لاخواب میں بھی یہی فلسفہ کچھ سائنسی اور کچھ شاعرانہ انداز میں پیش کیا گیا ہے۔

آئن اسٹائن اس صدی کا عظیم سائنس داں مانا جاتا ہے جس نے RELATIVITY کی تھیوری دی۔ اظہار اثر نے اس نہایت پیچیدہ تھیوری کے ایک بہت اہم حصہ کو اپنی نظم "رفتار" میں قید کر لیا ہے۔ آئن اسٹائن کی تھیوری کے مطابق کوئی شے جب روشنی کی رفتار اختیار کر لیتی ہے تو اس کے لئے وقت صفر بن جاتا ہے پھر اس چیز کے

لئے وقت رک جاتا ہے۔ اظہار اثر کی نظم رفتار میں اسی نظریہ کی جھلک ملتی ہے۔ نظم کا ایک حصہ ملاحظہ ہو۔

وقت اک رو ہے جسے روکنا ممکن ہے ابھی
اور کچھ تیز چلو
تیز چلو
روشنی بن کے چلو

جس طرح غزل کے ایک شعر میں بڑے سے بڑا مضمون سمویا جا سکتا ہے اسی طرح اس نظم میں بھی ایک بہت بڑا سائنسی نظریہ سمویا ہوا ہے۔ روشنی بن کے چلو تو وقت رک جائے گا، آئن اسٹائن کے نظریہ اضافیت کی ایک آسان توضیح ہے۔ مجھے اس وقت اظہار اثر کی کسی غزل کا ایک شعر یاد آرہا ہے۔

کتنے غموں کا بار اٹھائے ہوئے ہے دل
ایک زاویہ سے شیشہ نازک بھی سنگ ہے

بظاہر یہ شعر خالص غزل کا شعر ہے لیکن اس کی گہرائی میں اتر کر دیکھئے تو آپ کو ٹھوس مادی دلیل نظر آئے گی۔ دل کو شیشہ سے تشبیہہ بہت سے شاعروں نے دی ہے لیکن کوئی بھی تشبیہہ اس طرح دلیل کے ساتھ نہیں ملتی جس طرح اظہار کے اس شعر میں ہے۔ شیشہ بہت نازک چیز ہے ذرا سی ٹھیس سے ٹوٹ جاتا ہے لیکن ہر شیشے کے دو پہلو ہوتے ہیں۔ مثال کے طور پر ایک چوکور شیشے پر آپ ذرا سی چوٹ لگائیے وہ ٹوٹ کر بکھر جائے گا۔ اسی وجہ سے شاعروں نے اسے دل سے تشبیہہ دی ہے، کیوں کہ دل بھی ذرا سی ناگوار بات سے ٹوٹ جاتا ہے۔ اب اگر آپ اسی شیشے کو اس کی موٹائی کی طرف سے کھڑا کر دیں تو یہی شیشہ پتھر سے بھی زیادہ سخت بن جائے گا۔

اک زاویہ سے شیشہ نازک بھی سنگ ہے

یہ وہی زاویہ ہے جو نازک شیشہ کو بھی سنگ بنا دیتا ہے۔ دوسرے معنوں میں دل کو ہر غم

برداشت کرنے کے قابل بنا دیتا ہے۔ یہی سائنسی شعور اظہار کے اس شعر کو دل کا شیشہ ٹوٹنے والے دوسرے اشعار سے الگ کر دیتا ہے اور یہی سائنسی شعور اس مجموعہ کی بیش تر نظموں میں نظر آتا ہے۔

اُن نظموں کا ذکر میں جان بوجھ کر نہیں کر رہا ہوں جن میں عام طور سے سمجھ میں آجاتے والے سائنسی نظریات کی جھلک ہے۔ جیسے نظم "ذرہ، دھنک اور میں" وغیرہ۔ "کُن فیکون" میں تخلیقِ کائنات کا دھماکے والا نظریہ واضح ہے۔ اس نظم کو میں "خدا کی تعریف" کی نظم کہہ سکتا ہوں۔ نظم ناشنیدہ میں الٹراسونک آوازوں کی طرف اشارہ ہے جنہیں انسانی سماعت محسوس نہیں کر سکتی۔ آخر میں صرف ایک نظم کا حوالہ اور دینا چاہوں گا۔ اس نظم کا عنوان ہے "ہمزاد" — ہمزاد ہم شکل کے معنوں میں آتا ہے۔ یعنی ایک شخصیت کے دو پہلو۔ لیکن اظہار کی اس نظم میں فزکس کا ایک اہم نظریہ کارفرما ہے۔ MATTER یعنی مادہ کے بارے میں آج ہر شخص جانتا ہے مگر اینٹی میٹر ANTI-MATTER کے بارے میں بہت کم لوگ جانتے ہیں۔

میٹر کا سب سے چھوٹا یونٹ ایٹم ہوتا ہے۔ ایٹم بھی بہت سے ننھے ننھے ذرات سے مل کر بنا ہوتا ہے۔ اینٹی میٹر میں بھی میٹر جیسی خصوصیات ہوتی ہیں۔ فرق صرف یہ ہوتا ہے کہ اینٹی میٹر عام میٹر کا الٹا ہوتا ہے۔ مثلاً ایٹم کو دو حصوں میں بانٹا جاتا ہے۔ ایک حصہ ایٹم کا مرکزہ ہوتا ہے جس میں مثبت برقی رو ہوتی ہے اور دوسرا حصہ الیکٹران کہلاتا ہے جس میں منفی برقی رو ہوتی ہے۔ مثبت اور منفی برقی روئیں ایک دوسرے کو اپنی طرف کھینچتی ہیں اس لئے وہ ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوتے۔ اینٹی میٹر میں بھی بالکل اسی طرح ایٹم ہوتے ہیں لیکن اینٹی میٹر کے ایٹم کے مرکزہ میں منفی برقی رو ہوتی ہے اور اس کے الیکٹران میں مثبت برقی رو ہوتی ہے اسی لئے اسے پوزیٹرون کہا جاتا ہے اس طرح برقی رووں کے اعتبار سے اینٹی میٹر کا ایٹم عام میٹر کے ایٹم سے بالکل متضاد ہوتا ہے جب کہ باقی تمام خصوصیات ایک جیسی ہوتی ہیں۔ دوسری اہم بات یہ ہوتی ہے کہ عام میٹر

کے ایٹم سے اگر اینٹی میٹر کا ایٹم ٹکرا جاتا ہے تو دونوں ایک دوسرے کی مادیت ختم کر کے توانائی ENERGY میں تبدیل ہو جاتے ہیں۔ اس پس منظر کے ساتھ نظم ہمزاد کو پڑھیے تو مجھے یقین ہے آپ کو اور زیادہ لطف محسوس ہوگا۔

سچ یہ ہے کہ کسی بھی فائن آرٹ کی وضاحت الفاظ میں نہیں کی جا سکتی۔ فائن آرٹ کو صرف محسوس کیا جا سکتا ہے اور اس سے لطف اندوز ہوا جا سکتا ہے لیکن اظہار اثر کی یہ نظمیں آج کے دور میں کچھ اشارے چاہتی تھیں اس لیے میں نے اپنی سمجھ کے مطابق یہ چند صفحات لکھنے کی جرأت کی ہے۔ یہ نظمیں دراصل مستقبل کی نظمیں ہیں۔ شیشہ اگرچہ سائنس کی دین ہے لیکن یہ ایجاد آج اتنی عام ہو چکی ہے کہ ہماری زندگی کا حصہ بن گئی ہے اور ہم کبھی یہ سوچتے بھی نہیں کہ جب شیشہ ایجاد ہوا ہوگا تب لوگوں کو کتنی حیرت ہوئی ہوگی۔ مستقبل میں جب آج کے سائنسی نظریات بھی عام ہو جائیں گے تو یہ نظمیں اسی دور کے PERSPECTIVE میں پڑھی اور سمجھی جائیں گی اور ان کی تہوں میں چھپے معنوں کو سمجھنے کے لیے کسی طرح کی وضاحت کی ضرورت نہیں رہے گی۔

ناقدین اور ادب دوست حضرات سے درخواست ہے کہ وہ میرے اس مضمون کو ادب کی اعلیٰ قدروں کی کسوٹی پر نہ پرکھیں۔ میں نے صرف اظہار اثر کی ان نظموں پر اپنی رائے پیش کی ہے جو میری نظر میں سائنسی اقدار کی حامل ہیں۔ باقی دوسری نظموں کے بارے میں کوئی رائے دینے کا مجھے حق نہیں۔

اس مضمون کو کچھ ادبی رنگ دینے کے لیے میں اپنے ایک دوست کا شکر گزار ہوں جس نے میری لکھی بہت سی انگریزی اصطلاحوں کو اردو کی ادبی اصطلاحوں میں تبدیل کر دیا ہے۔ ایک دوست کی حیثیت سے میری دعا ہے کہ اظہار اثر کا یہ مجموعہ ادبی حلقوں میں قبولیت کا شرف حاصل کرے۔

وائی۔ این۔ سکسینہ
ڈپٹی چیف سائنٹفک آفیسر
ڈیفنس سائنس سنٹر۔ دہلی

افسر جمشید
ایڈیٹر ماہنامہ روبی

روشنی کی شاعری

شروع کرتا ہوں روشنی کے لفظ "اللہ" سے جو تمام صفات کی واحد علامت ہے۔ میری آنکھوں کے سامنے اظہار اثر کی نظمیں ہیں (سائنسی نظمیں) اور میرے ادراک میں دوسروں کے ذہن کورے کاغذ کی طرح بکھرے پڑے ہیں۔

لے سانس بھی آہستہ کہ نازک ہے بہت کام
آفاق کی اس کارگہہ شیشہ گری کا

میر کا مشاہدہ۔ کلیدی لفظ "آفاق" کا استعمال اور فنکارانہ اظہار گویا کائنات جیسے عظیم تجربے کا اشاریہ!

خیال، وہم اور تصور سے زیادہ، زیادہ نازک کیا؟
(سے "عالم تمام حلقۂ دامِ خیال ہے" (غالب)
کس کا خیال؟
"خیال" کیا ہے؟
خیال کا ——— کیا ہے؟
لفظ سے خیال کا تعلق؟
کیا ہم لفظ کے بغیر سوچ سکتے ہیں؟
ذہن اور عقل کے معنیٰ؟
اور عقل کی مجبوری ——— مثال!
مثال کے بغیر عقل کسی چیز کو بھی نہیں سمجھ سکتی۔
کسی بھی شے، داخلی یا خارجی کی کیفیت کا اظہار "لفظ" میں ممکن ہے۔ کتنے فیصد ممکن ہے؟

جب ہمارا "دانش ور" طبقہ ان بنیادی سوالوں کے جواب نہیں جانتا تو پھر میر کے شعر کی تشریح کیسے ممکن ہو سکتی تھی۔

اور جب ہم اپنے "کلاسیک" کو ہی آج تک نہ سمجھ سکے تو پھر ایسی نظموں کی تشریح، تعریف اور تنقید کیسے ممکن ہو سکتی ہے جو "بے مثال" ہوں!

عقل کی مجبوری کہ وہ "مثال" کے بغیر کسی چیز کو بھی نہیں سمجھ سکتی۔۔۔۔ مثلاً

وصل کی لذت کا ذکر کسی ایسے شخص سے کیا جائے جو اس لذت سے ناواقف ہو وہ کیا سمجھے گا؟ وہ کہے گا کیا ایسی لذت جیسی کسی لذیذ شے کے کھانے میں ملتی ہے۔ ہم کہیں گے کہ کھانے میں لذت ہے لیکن وصل کی لذت کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں۔ وہ شخص سننے، دیکھنے، چکھنے، سونگھنے اور چھونے غرض کہ حواسِ خمسہ کی وہ تمام لذتیں جن کا کہ اس کی عقل ادراک کرتی ہے، بیان کرے گا لیکن ہمارا جواب یہی ہوگا کہ تمام لذتیں وصل کی لذت کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں۔ چوں کہ اس شخص کی عقل کے سامنے اس لذت کی کوئی مثال موجود نہیں، اس لئے وہ اس لذت کو سمجھ ہی نہ سکے گا۔ اور نہ ہم اسے "لفظ" میں سمجھا سکیں گے!

میری آنکھوں کے سامنے اظہار اثر کی نظمیں ہیں۔

ایسی نظمیں جن کی مثال عالمی ادب میں لاموجود!

ان نظموں کا موضوع ایسا ہے جس کے سامنے تمام ذہن کورے کاغذ ——— (ادب کے تمام ذہن)

اور میں دشتِ لفظ میں حیرت زدہ کھڑا ہوں۔

اظہار اثر کو اپنی شاعری کے لئے قاری کہاں ملے گا؟

اور اس کی نظموں کا تجزیہ کرنے والا نقاد ——— ؟

(ایک بڑا سوالیہ نشان!!)

زندگی کے ہر کام میں "اعتدال" صراطِ مستقیم ہے۔

اعتدال سے آگے انتہا پسندی۔

انتہا پسندی کا تیشہ (گویا) تمام اخلاقی قدروں کی شکست و ریخت!
"شعور" ایسے شخص کو وحشی، پاگل اور دیوانہ جیسے الفاظ سے ظاہر کرتا ہے۔ لیلیٰ کے عشق میں قیس کی انتہا پسندی نے "مجنوں" کا لقب پایا۔
قیس اپنے "جنون" کا فنِ لطیف میں خود اظہار نہ کر سکا دوسرے آج تک اس کا اظہار کرتے چلے آ رہے ہیں۔ (جنون کی ہمہ گیریت کا ثبوت)
خدا کی محبت میں منصور کی انتہا پسندی نے خود کو ظاہر کیا تو "انا الحق" جیسے ادھورے لفظ ہی مل سکے۔
وحدت الوجود کی لیلیٰ کے مجنوں کو اظہار کا موقعہ ملا تو غالب کہلایا۔
ایک پیشہ ور عورت کی خواہش پر اپنا کان کاٹ کر دے دینے اور پھر خود کو ہلاک کر لینے والے سے زیادہ انتہا پسند کون؟ ——— وان گاگ ۔ ۔ ۔ ۔
وان گاگ نے جب اپنی انتہا پسندی کو رنگوں کا پیرہن عطا کیا تو ۔ ۔ ۔
عصری آگہی نے "دیوانے کی بڑ" سے زیادہ اہمیت نہ دی۔
اور بعد کی نسلوں نے ۔ ۔ ۔
وان گاگ کی ایک ایک تصویر ایک ایک اسکیچ کو ہیروں میں تولا۔ آج کا بڑے سے بڑا میوزیم اس کی تصویر کے بغیر ادھورا۔
لوگ کہتے ہیں:۔
ذہانت اور دیوانگی کے درمیان ایک نامعلوم حدِ فاصل ہے۔
میں کہتا ہوں:۔
معلوم حدِ فاصل ہے۔
بیوقوفی کی انتہا — ذہانت!
ذہانت کی انتہا —— عظیم اور مکمل حقیقت کا ادراک! دوسرے ذہنوں کے لئے دیوانگی۔
ذہانت جب اپنی انتہا کو چھوتی ہے تو۔

شیو کی تیسری آنکھ بن جاتی ہے!
اور ذہن ان لمحوں میں سانس لینے لگتا ہے جنہیں دوسرے "مستقبل" کے لفظ سے ظاہر کرتے ہیں۔
حالاں کہ "حال" اور "مستقبل" محض واہمہ ہیں!
تمام ذہن جو کچھ ظاہر کرتے ہیں اس کی طرف اگر کوئی لفظ (وقت کے تناظر میں) اشارہ کرتا ہے تو وہ "ماضی" ہے۔ محض اشارہ!
ذہانت کی انتہا عصری آگہی کے لئے دیوانگی کا درجہ رکھتی ہے!
لمحاتِ دیوانگی کے اظہار کی اہمیت ہمیشہ آنے والی نسلوں پر منکشف ہوتی ہے۔
ثبوت: ـــــ غالبؔ اور وان گاگ۔
اظہار اثر نصف صدی سے سائنسی علم کی لیلیٰ کا مجنوں ہے!
اس کے باطن کا دریچہ کھل چکا ہے!
لکھنا اس کا پیشہ ہے۔
لکھنے کی فنی مہارت اور سائنسی لیلیٰ کا عشق برسوں سے ہم رشتہ ہیں۔
لیکن ـــــ اس کے ذہن کو مشترکہ اظہار کا موقعہ اب ملا ہے۔
(موجودہ سائنسی نظمیں)
مجھے اس کی نظموں میں وان گاگ کی وحشت کے رنگ نظر آتے ہیں۔ غالب کی دیوانگی شعری میدان میں اپنا سفر جہاں ختم کرتی ہے اظہار ـــــ کا اثر وہاں سے شروع ہوتا ہے!
شیخِ اکبر نے عظیم و مکمل سچائی کا ادراک حاصل کیا تھا روحانیت کے وسیلے سے۔
اظہار اثر نے بھی اس "ادراک" کو حاصل کیا سائنس کے وسیلے سے!
راستے جُدا جُدا منزل ایک۔
سب کی منزل ایک۔
ادراک جُدا جُدا۔

اظہار الگ الگ۔

انسانی زندگی کا مقصد اسی منزل کا ادراک ہے۔

جسے میں ABSOLUTE TRUTH کہتا ہوں!

اظہار اثر نے اسی انتہائی مکمل سچ کی معرفت حاصل کی ہے۔

ذہن وہی ظاہر کرتا ہے جو اس کے پاس ہوتا ہے۔

ملاحظہ ہو ـــــــ نظم....

"کُن فیکون"

اظہار اثر کی نظموں کا پس منظر وہی مکمل حسن اور سچائی ہے جس کے سامنے اکثریتی ذہن کورے کاغذ کی طرح ہیں!

اور اگر تھوڑا بہت جانتے ہیں تو مذہبی علامتوں کے وسیلے سے!

مُردہ علامتوں کے حوالے سے!!

جن سے اظہار اثر کی شاعری کا دور کا بھی واسطہ نہیں۔

اس کا تعلق ہے۔

ریاضی کے ناقابلِ فہم فارمولے۔

طبعیات، فلکیات اور کیمیاوی عمل اور ردِّ عمل۔

جن سے آج کا ذہن واقف نہیں لیکن

آنے والے دور میں یہی سب کچھ انسانی زندگی کا جزو اعظم ہوگا۔ حسین چہرے کو چاند سے تشبیہہ دینے کی روایت آج شرمندہ ہے!

اب چاند کی حقیقت ہے ایک بنجر دھرتی! اور اس کا حُسن مانگے کا اجالا۔

اب نیا ذہن نئی امیجری تراش رہا ہے۔ حسن کے سچ کی امیجری!

اور اظہار اثر نئے ذہن کا پیش رو ہے۔

خلا کی پُرہول تاریکی،

کہکشائیں۔
سیاہ سورج اور ان گنت روشن ستارے۔ مقناطیسی ہیرے۔
اور پھر یہ علم کہ یہ سب کچھ انسان کے اندر موجود ہے۔ اظہار اثر کی نظموں کا موضوع ہیں۔ جیسے....

زمانہ نابلد مجھ سے
فضا نا آشنا مجھ سے
میں تحریر صدا ہوں
میں تصویر صبا ہوں
مجھے محسوس کر پورے بدن سے
سماعت سے ورا میں اک نوا ہوں
میں اک آواز ہوں

______(ناشنیدہ)

کائنات میں موجود ہر شے کی بنیاد یا قیام یا ہر شے کی اصل شعاع (روشنی) ہے۔ روشنی کی یہ شعاع ہماری زندگی کا ORIGIN ہے۔ مذکورہ نظم کو پڑھنے کے بعد عصری ذہن کی سمجھ میں کیا آئے گا، یہی کہ اظہار اثر شاعرانہ جھوٹ بول رہا ہے۔ وہ کہنا چاہتا ہے کہ میں ایک ایسی آواز ہوں جسے سُنا نہیں جاسکتا۔ عصری ذہن کی آگہی یہ ہے کہ آواز کی موجودگی کے ثبوت کے لئے اس کا سنا جانا ضروری ہے۔ یہ علم بھی سائنس نے ہمیں نصف صدی کے اندر دیا ہے کہ آواز کبھی نہیں مرتی، خلاء میں موجود رہتی ہے۔ اور یہ علم بھی، ذہن، محض "اطلاع" کے طور پر جانتا ہے۔ وہ اس بات سے واقف نہیں کہ آوازیں بھی روشنی کی لہروں کی شکل میں تبدیل ہوسکتی ہیں۔ ان کے قطر WAVE LENGTH بہت چھوٹے اور بہت بڑے ہوتے ہیں۔ جس طرح چار سو قطر سے کم کی آوازیں ہمیں سنائی نہیں دیتیں اسی طرح سولہ سو قطر سے زیادہ تیز آواز بھی ہم سن نہیں سکتے۔ گویا آواز کی انتہا ہمارے لئے "سکوت" کی حیثیت رکھتی

ہے جب کہ آواز پوری طاقت کے ساتھ ہماری سماعت کے پاس موجود ہوتی ہے۔ اب اس سائنسی روشنی میں اظہار اثر کی نظم "شنیدہ" کو پڑھئے۔

اظہار اثر کی ایک اور نظم کا عنوان ہے۔

"سیاہ سورج"

عنوان ہی اجتماعِ ضدین کو ظاہر کرتا ہے۔ گویا عام ذہنوں کے لئے جھوٹ کی ایک اور مثال:۔

کبھی میں بھی تھا اک روشن ستارہ
خلا کی تیرگی کو بخشتا تھا نور میں بھی
مگر اب تو قتیلِ وقت ہو کر رہ گیا ہوں
میرے اندر اندھیرا بڑھ رہا ہے
میں اپنی روشنی خود پی گیا ہوں ـــــــ (سیاہ سورج)

آخر یہ کیسا کرب ہے جو انسان کو خود اپنی روشنی پی جانے پر مجبور کرتا ہے اور یہ کیسی روشنی ہے جو باہر نہ نکلنے کے باوجود اپنی موجودگی کا احساس دلا رہی ہے۔ اس بات کو سمجھنے کے لئے ہمیں کرب کی وہ لذت چکھنی ہوگی جس کی انتہا نے اظہار اثر سے یہ نظم تخلیق کرائی اور اس لذت سے ہم کنار ہونے کے لئے خلا، کا وہ علم حاصل کرنا ہوگا جہاں اَن گنت سورج اپنی روشنی پی جانے پر مجبور ہو جاتے ہیں اور ان میں زندگی (سورج کی زندگی اس کی روشنی ہی تو ہے) سِسک سِسک کر دم توڑنے پر مجبور ہو جاتی ہے۔ آج کا جھوٹ لگنے والا "سیاہ سورج" آنے والے کل کا سچ بن کر جب ذہنوں میں طلوع ہوگا تو اس نظم کی حقیقت اور اہمیت منکشف ہوگی

اظہار کی نظمیں ـــــ تمام تر نظمیں کائنات کے پوشیدہ حُسن کی مظہر ہیں۔

اظہار کا ذہن فطرت سے ہم آہنگ ہے۔

یہ ہم آہنگی تمام نظموں میں جلوہ گر ہے۔

تشبیہات، استعارے، علامتیں اور محاکات فطرت سے منسلک ہیں۔ گویا اظہار

"فطرت کی آواز" میں گونجتا ہے۔

یہ گونج سنئے:۔

کبھی کبھی تو ایسا لگتا ہے جیسے
چاند ستارے، سورج، دھرتی اور آکاش
کاہکشاؤں کی یہ جھرمٹ
یہ مقناطیسی گرداب
گیسوں کے چکراتے بادل
دھیرے دھیرے بہتی صدیاں
جھل مل جھل مل کرتے لمحے
سرخ، ہرے، نیلے رنگوں کے ٹکڑے
دیکھی اَن دیکھی کرنیں
اپنے اس پیکر میں آنے سے پہلے
جیسے میں یہ سب کچھ دیکھ چکا ہوں
جیسے یہ سب کچھ
میں نے ہی تخلیق کیا ہے ———— (لاخواب)

ایک دوسری گونج سنئے:۔

میں سمندر ہوں قطرہ مرا نام ہے
ایک خلیہ ہوں لیکن مکمّل حیات
ایک ذرہ مگر مرکزِ کائنات
میں ہی مخلوق ہوں
میں ہی خالق ہوں دنیا کا معبود ہوں
میں ہی میں ہوں ازل سے ابد تک یہاں سے وہاں تک

فقط میں ہی ہوں ________ (میں)

ان نظموں میں سائنسی نظریات واضح ہیں لیکن ویدانت، گیتا اور تصوف کا علم رکھنے والے ہی "میں" کی ہمہ گیریت کو سمجھ سکتے ہیں۔ یہ نظمیں سائنس کی پیچیدہ راہوں پر چلتے ہوئے فلسفہ حیات کی سرحد میں داخل ہو جاتی ہیں۔ بالکل اسی طرح جس طرح میر کا مذکورہ بالا شعر۔! اردو میں سائنس کے موضوع پر بہت کچھ لکھا گیا ہے اور اکا دکا نظمیں بھی کہی گئی ہیں لیکن سائنسی اصطلاحات سے دامن بچا کر فلسفہ حیات اور شاعرانہ پیرہن میں عظیم اور مکمل حسن و سچائی کو بیان کرنے کی اولین کوشش اظہار اثر نے کی ہے!

اظہار کی نظمیں پڑھ کر اعلیٰ ذہن کو اندازہ ہوتا ہے کہ
نظموں میں سائنس اپنی پوری باطنی قوت کی طرح پس پردہ ہے!
اس کی روش اچھوتی!
اس کا لہجہ منفرد۔
اس کی شاعری کی تمکنت نرالی!
معنی کا کینوس وسیع تر۔
جھوٹے حسن کے درمیان سچے حسن کی پہلی مثال۔
آج کے ذہن کے لئے حیرت۔
مستقبل کے ذہن کی لذت۔
نئی علامتوں اور امیجری کی تخلیق۔

مثلاً:۔

مگر وہ شخص
اپنی ذات میں جو کھویا رہتا ہے
کسی چہرے پہ دکھ کی داستاں جو پڑھ نہیں سکتا

کسی کی آنکھ میں شبنم نظر آتی نہیں جس کو
کسی کے دل کی دھڑکن کی دھمک جس کو نہیں چھوتی
اسے کیا نام دو گے ؟
وہ تو پتھر بھی نہیں ہوتا ۔ !
———— (ناپتھر)

(محبوب کی سنگ دلی کو پتھر سے تشبیہہ دینے کی روایت کے درمیان "ناپتھر" جیسی سچی علامت کی تخلیق خلاّقانہ ذہن ہی کی دین ہو سکتی ہے ۔ اور ایسی علامتوں سے یہ شاعری بھری پڑی ہے)
یک طرفہ "عشق" بڑی جاندار روایت ہے ۔ لیکن یہ روایت بھی اظہار کے مزاج میں ٹوٹی ہوئی نظر آتی ہے ۔ وہ غالب کی طرح دربان کے قدموں میں گر کر ٹھوکریں کھانا پسند نہیں کرتا ۔ اور نہ ہی پہاڑ کے بطن سے دودھ نکالنا چاہتا ہے ۔ اور نہ ہی قیس کے "جنون" کی ہمہ گیریت کو اپنے فن میں جگہ دینا پسند کرتا ہے ۔ اگر وہ ایسا کرتا تو درج ذیل نظم کبھی تخلیق نہ کرتا ۔

نہ دی اس نے توجہ کچھ بھی میری مسکراہٹ پر
میں آگے بڑھ گیا تو اور اک لڑکی نظر آئی
بہت ہی خوبصورت تھی
پسند آئی مجھے وہ بھی
نظر ملتے ہی میں نے مسکرا کر اپنے دل کا حال کہہ ڈالا
وہ شرمائی ذرا جھجکی
ذرا سا مسکرا کر اس نے مجھ کو جراَتِ اظہارِ دل دے دی
زمانہ آج کہتا ہے کہ اس لڑکی سے مجھ کو عشق صادق ہے
مگر میں آج بھی تنہائی میں یہ سوچ کر حیران ہوتا ہوں
اگر وہ پہلی لڑکی بھی یہی کرتی تو کیا ہوتا ؟
———— (عشق)

(طوفانی عشق کی کہانیوں پر غور کیجئے، تقریباً سبھی عاشق پہلی لڑکی پر اٹک گئے ۔ لیکن

اظہار اثر تو RESPONSE کا قائل ہے۔ پہلی لڑکی سے RESPONSE نہیں ملا تو وہ دوسری لڑکی کی طرف بڑھ جاتا ہے۔ روایتی اور مجازی عشق کے تناظر میں اسے "ہوس" سے تعبیر کیا جائے گا لیکن اظہار اثر نے "عشق صادق" ہی کیا۔ کیوں؟ اظہار اثر کی نظر میں جسمانی لڑکی نہیں ہے بلکہ اس کے پس پردہ روشنی کی لڑکی ہے۔ روشنی جو دونوں لڑکیوں میں مشترک ہے۔ روشنی جو کثرت میں وحدت کی علامت ہے۔ اور میں یہ پہلے ہی بیان کر چکا ہوں کہ اظہار اثر کی نظموں میں سائنس کی بھرپور قوت پس پردہ بھی موجود ہے۔ اس نظم میں کوئی سائنسی استعارہ یا لفظ موجود نہیں پوری نظم میں روشنی کی جو روح ہے اسے میں دیکھ رہا ہوں۔ محسوس کر رہا ہوں اور بیان کر رہا ہوں۔

اس جگہ اظہار کی ایک مختصر ترین نظم کا ذکر ضروری ہے۔ یہ نظم ہے۔

پھول کھلے
تو آنسو ٹپکے
اشک گرے
تو پھول کھلے

______ (ایک طویل داستان کے دو مختصر باب)

("آنسو" اور "پھول" دو سامنے کی علامتیں خوشی اور غم، روشنی اور اندھیرا، نیکی اور بدی زندگی اور موت اور اس طرح کی تمام چیزوں SYMBOLIZE کرتی ہوئی نظر آتی ہیں۔ کیا میں نے غلط لکھا ہے کہ اظہار اثر کی نظموں کا کینوس وسیع تر ہے؟)

اور اظہار اثر کی درج ذیل نظم کو میں PARADOXICAL نظم سمجھتا ہوں:

بزرگوں نے کہا تھا
اگر مڑ کے دیکھا کسی نے
تو بن جاؤ گے اک لمحے میں پتّھر

مگر میں ازل سے تھا سرکش

تجسس مری فطرتِ ثانیہ تھا

نئے تجربوں کی تمنا تھی مجھ کو

بزرگوں کا کہنا نہ مانا

پلٹ کر جو دیکھا

. . . . . .

بزرگوں نے سچ ہی کہا تھا

مرے سر گھماتے ہی بستی میں پتھر ہی پتھر کھڑے تھے

——————— (بزرگوں کا سچ)

(الف لیلوی داستانوں کو پڑھ کر اُردو کے کئی شاعروں نے پتھر بن جانے والی کیفیت کو نظم کیا ہے لیکن بے سوچے سمجھے۔ جب یہی کیفیت اظہار اثر نظم کرتا ہے تو پوری سچائی اور سائنسی حقیقتوں کے ساتھ۔ "سر گھمانے میں" جو راز پوشیدہ ہے، اسے آج کا ذہن کیا سمجھے گا۔ اگر میں اظہار اثر کی کسی ایک نظم کی تشریح اور تجزیہ لکھوں تو ایک ضخیم کتاب بھی ناکافی محسوس ہوگی۔ اتنے بڑے معنیٰ کی نظمیں پورے عالمی ادب میں کہاں ہیں؟)

میری رائے میں:۔

بہترین شاعری وہ ہے جس کا ظاہری لباس خوبصورت الفاظ کے پھولوں سے سجا ہوا ہو۔

شدتِ اظہار کی تیز خوشبو کے ساتھ!

ترسیل آسان۔

اور معنیٰ . . . . .

ان گنت ڈائی مینشنز DIMENSIONS لئے ہوئے۔

ڈائی مینشنز کا کینوس آفاق کو اپنے اندر سموئے ہوئے۔ فنی روایات کے ستاروں سے

بنی ہوئی تجرباتی کہکشائیں !! ایسی کہکشائیں جن میں وقت، جگہ اور زبان کی تبدیلی گُم نظر آئے!

اور سب سے بڑی بات :-

شاعری ذہنوں میں اس عظیم روشنی کی طرف دریچے کھول دے جو تمام کائنات کی اصل، زندگی کی روح اور انسان کی اپنی حقیقت ہے !!

میں حیرت زدہ مُسرت کے ساتھ یہ اعتراف کرتا ہوں کہ اظہار اثر کی بیشتر نظمیں حقیقی اور مستقبل کے عظیم معیار پر پوری اترتی ہیں۔ میں پیش گوئی کرتا ہوں کہ آج کے عہد میں اظہار اثر مستقبل کا بہت بڑا شاعر ہے۔ سچی نظمیں کہنے والا اوّلین عظیم شاعر !!

میں نے روشنی کے اسم سے اپنے مضمون کا آغاز کیا تھا اور میں روشنی کے ہی الفاظ پہ اختتام کرتا ہوں۔

اللہ ہی آسمان اور زمین کا "نور" ہے!

انور سدید

میری شاعری

اپنی تخلیقات کی تعریف کرانے کی دو ہی صورتیں رائج ہیں۔ یا تو نقاد حضرات کے دروں کی گدائی کی جائے یا دوستوں کو تکلیف دی جائے۔ میں نے آخری طریقہ انتخاب کیا ہے۔
میری شاعری کیسی ہے۔ نظمیں کس معیار کی ہیں اس کے بارے میں کم از کم میں نے کبھی نہیں نہیں سوچا۔ ذہن میں جب کبھی آتش فشاں بیدار ہوا خود بخود نظم یا غزل ہو گئی۔ غالب کے اس مصرع کے مصداق "نہ ستائش کی تمنا نہ صلے کی پرواہ"، میں نے بھی شاعری ستائش یا صلے کی غرض سے نہیں کی۔ شعر اس لئے کہے کہ وہ خود بخود ذہن میں آتے گئے۔ ناقدوں کی خوشامد کرکے مضامین اس لئے نہیں لکھوائے کہ میرا عقیدہ ہے اچھی تخلیق اپنے آپ کو خود منوا لیتی ہے۔
ویسے بھی اس دنیا کا دستور ہے کہ اچھے فن کو ایک لمبا عرصہ گزرنے کے بعد ہی سمجھا جاتا ہے۔ یہی فطرت کا بھی خاصہ ہے۔ جو چیز زمانوں کی دست و برد کے باوجود قائم رہ جائے اسی کو زندہ رہنے کا حق ہوتا ہے۔ فن کے بارے میں بھی یہی ہے کہ جو ادوار کی سرحدوں پر لگے نشتروں کی کاٹ سے بچ کر بھی اپنا وجود قائم رکھتا ہے، اسی فن کو زندہ رہنے اور فن کہلانے کا حق حاصل ہے۔ چنانچہ میں نے شاعری کی، اور اب زمانے کے حوالے کر رہا ہوں۔ زمانے سے بڑا صحیح قدر و قیمت پہچاننے والا کوئی نقاد نہیں۔ میرا ایمان ہے کہ اگر میری شاعری میں ذرا سی بھی تخلیقی قوت ہوگی تو وہ مستقبل کو آئینہ دکھائے گی اور اگر اس میں تخلیقی عنصر نہیں ہے تو پھر اس کا ختم ہو جانا ہی اچھا ہوگا۔

اظہار اثر

میں تو افلاک سے آگے کا پرندہ ہوں آخر
بال جبریل بھی شامل ہے مرے شہپر میں

تخلیقِ کائنات کا دیتا جواب کون
ہم آج تک سوال سے آگے نہ بڑھ سکے

کُن فَیکُون

اِک ازل تھا کبھی
کچھ نہ تھا جب کہیں
کوئی ہستی نہ تھی
کوئی جلوہ نہ تھا
وقت کا بھی تصوّر نہ تھا
ایک ذرّہ تھا بس
انتہا کی حدوں سے پرے
ایک ذرہ تھا لاانتہا

بے طرف
بے دِشا
بے کراں
ایک ذرہ تھا صرف
ایک ذرہ تھا لاانتہا

اور پھر اک دھماکہ ہوا

انتہا کی حدوں سے پرے
اک دھماکہ ہوا
وہ جو ذرہ تھا اک بیکراں
بے طرف بے دِشا
منتشر ہو گیا
جس سے ساری خلائیں بنیں
کہکشائیں بنیں
چاند سورج بنے
اور دِشائیں بنیں
وقت پیدا ہوا
لمحے اڑنے لگے
صدیاں حرکت میں آنے لگیں
ہر طرف، ہر دِشا
زندگی جگمگانے لگی
اور خدا نے کہا
آج قدرت مری رُونما ہو گئی

لاخواب

کبھی کبھی تو ایسا لگتا ہے جیسے
چاند ستارے، سورج دھرتی اور آکاش
کاہ کشاؤں کے یہ جھرمٹ
یہ مقناطیسی گرداب
گیسوں کے چکراتے بادل
دھیرے دھیرے بہتی صدیاں
جھِل مِل جھِل مِل کرتے لمحے
سرخ ہرے نیلے رنگوں کے ٹکڑے
دیکھی ان دیکھی کرنیں
اپنے اس پیکر میں آنے سے پہلے
جیسے یہ سب کچھ دیکھ چکا ہوں
جیسے یہ سب کچھ
میں نے ہی تخلیق کیا ہے

سیاہ سورج

کبھی میں بھی تھا اک روشن ستارہ
خلا، کی تیرگی کو بخشتا تھا نور میں بھی
مگر اب تو قتیلِ وقت ہو کر رہ گیا ہوں
مرے اندر اندھیرا بڑھ رہا تھا
میں اپنی روشنی خود پی گیا ہوں

ذرّہ

مجھے بانٹ کر کیا کرو گے
میں ذرّہ ہوں ذرے کا جُزر کیا کرو گے
مگر میرے یارو!
جو تم مجھ کو آزاد کر دو حصارِ بدن سے
تو اک موج بن جاؤں گا میں
توانائی میں غم کی تبدیل ہو جاؤں گا میں
نئی شکل پا کر
تمہارے بہت کام آؤں گا میں

پیدائش اک سورج کی

گھٹن اس قدر ہے کہ ذرے بدن کے سمٹتے سمٹتے دلِ غم رُبا بن گئے ہیں
کشش اس قدر ہے کہ ہر دُکھ سمٹ کر مرے جسم میں جذب ہونے لگا ہے
تپش اس قدر ہے حرارت نے لاانتہا کے مدارج بھی طے کر لیے ہیں
مرا نقطۂ انتشار آرہا ہے
مری موت کا اختتام آرہا ہے
کہ اب میں بکھر جاؤں گا ذرہ ذرہ خلاء میں
بہت جلد پھر مجھ میں مچلیں گے طوفاں نئی زندگی کے
مری خاکِ نوری سے لے گا جنم اک ستارہ

میں

ایک خلیہ ہوں میں
زندگی کی اکائی ہوں میں
ٹوٹ کر بن رہا ہوں ازل سے یونہی
میں عناصر کی ترتیب ہوں
میں شعور و نظر کی وہ بنیاد ہوں
جس پہ قائم ریاضی کے ٹیڑھے ستوں
جس کی شاخیں ہیں ادوار کے فلسفے
جو ادب، آرٹ، سنگیت کی روح ہیں
ایک ذرہ ہوں میں
ٹوٹ کر بن رہا ہوں ازل سے یونہی
میرے ہر ریزۂ مختصر میں نئی زندگی
میرے ہر سالمے میں نئی زیست ہے
ایک قطرہ ہوں میں اس سمندر کا جس کی غضب ناک امواج میں
کشتیاں کہکشاؤں کی پھرتی ہیں تنکوں کی مانند بہتی ہوئی
میں سمندر ہوں قطرہ میرا نام ہے

ایک خلیہ ہوں لیکن مکمل حیات
ایک ذرّہ مگر مرکزِ کائنات
میں ہی مخلوق ہوں
میں ہی خالق ہوں دنیا کا معبود ہوں
میں ہی میں ہوں ازل سے ابد تک یہاں سے وہاں تک
فقط میں ہی میں

○

کچھ ایسے سخت جان نہ تھے ہم بھی دوستو
ہم شیشگی کے خوف سے پتھر بنے رہے

ناشنیدہ

میں اک آواز ہوں
لیکن
مجھے سننا نہیں آسان
زمانہ نابلد مجھ سے
فضا نا آشنا مجھ سے
میں تحریرِ صدا ہوں
میں تصویرِ صبا ہوں
مجھے محسوس کر پورے بدن سے
سماعت سے ورا میں اک نوا ہوں
میں اک آواز ہوں
آواز ہوں
آواز
آوا—
آ

بے نام کرن

نہ جانے کب سے میں اندھے سفر میں ہوں
ہزاروں فاصلے طے کر چکی ہوں
ہزاروں سلسلے گم کر چکی ہوں
سفر میرا ازل سے ہے
سفر میرا ابد تک ہے
مسافر ہوں مگر تھکتی نہیں ہوں
میں ہستی ہوں مگر ہستی نہیں ہوں
نہ میرے لمس میں کچھ ذائقہ ہے
نہ میرا بوئے گل سے واسطہ ہے
نہ میں کھوئی ہوئی کوئی صدا ہوں
نظر کی قید سے بھی ماورئی ہوں
میرا پیکر نہیں کوئی مگر موجود عالم ہوں
شعور نو سے رشتہ ہے مگر احساس مبہم ہوں
ازل سے ہو کے آئی ہوں ابد کی سمت جاتی ہوں
بصارت کا لہو جن کی رگوں میں ہوا نہیں رستہ دکھاتی ہوں

خدا تو نہیں ہوں

اکیلا ہوں لیکن میرے ساتھ رہتا ہے سایہ بھی میرا
اگر میں نہ ہوتا تو کچھ بھی نہ ہوتا
کہ میں تو عناصر کی ترتیب کی ابتدا ہوں
خدا تو نہیں ہوں مگر میرے دم سے حرارت بھی ہے روشنی بھی
ہر اک زندگی بھی
اگر میں نہ ہوتا ہوا، آگ، پانی نہ ہوتے
ستارے نہ ہوتے
توانائی کا اولیں جسم ہوں میں
میں سورج کو دیتا ہوں شعلہ فشانی
ہوا کو روانی
سمندر میں رہتا ہوں میں بن کے پانی
خدا تو نہیں ہوں مگر ہر جگہ ہوں
عناصر کی ترتیب کی ابتدا ہوں

میرا ہمزاد

وہ میرا "میں" بھی ہے، ہم شکل بھی ہے
مرا ہمزاد ہے ہم جنس ہے اور ہم بدن ہے
مگر کچھ مختلف ہے
میں شعلہ ہوں وہ گرمی ہے
میں طوفاں ہوں وہ آندھی ہے
میرا "میں" ہے وہ میرا ہم صفت ہے
مگر اک فرق دونوں میں ازل سے ہے
میں مثبت ہوں وہ منفی ہے
وہ مجھ میں رہ کے بھی میرا نہیں ہے
میرا ہمزاد ہو کر بھی وہ کچھ مجھ سے جدا ہے
اگر مل جائیں ہم دونوں
تو ہم دونوں فنا ہو جائیں گے
لیکن
بدل جائیں گے موجِ زندگی میں

مکان و زماں

مرے ساتھ چلتی ہے تنہائی بھی تیرگی بھی
میں پھیلا ہوا ہوں یہاں سے وہاں تک
خلاء سے خلاء تک
خلاء جو اندھیرا ہے تنہائیوں کا
خلاء جو بسیرا ہے گہرائیوں کا
خلاء میرا ساتھی
خلاء میرا پرتو
خلاء میرا سایہ
خلاء دوسرا رُخ ہے میری جہت کا
کہ میں وقت ہوں
اور وقت لاانتہا ہے — (خلاؤں کی مانند)
نئی سمت ہوں میں وجود و عدم کی
مجھے لمحوں، صدیوں، دنوں میں نہ بانٹو
مجھے فاصلوں سے نہ ناپو
مجھے اپنی رفتار میں قید کر لو

شیشے کا کرب

ابھی تو میں شفاف شیشہ ہوں، معصوم ہوں، بے ریا ہوں
کوئی رنگ مجھ میں نہیں ہے
کوئی روپ میرا نہیں ہے
کرن جو بھی آئے گی میرے بدن تک
مرے پار ہو جائے گی بے محابا
کوئی رنگ اپنا میں اس کو نہ دوں گا
ابھی تو میں بے رنگ و بے روپ ہوں، بے ریا ہوں
ابھی دُکھ سہوں گا
لہو زندگی کا رگوں میں بھروں گا
شراروں سے کچھ روپ لوں گا
اندھیروں سے کچھ دھوپ لوں گا
ابھی تو ذرا دوستوں کی مدارات کر لوں
ذرا حادثوں سے ملاقات کر لوں
کہ آلودہ ہو جاؤں گا جب میں سیماب غم سے
تو آئینہ بن کر
تمہاری عنایات لوٹا کے واپس تمہیں کو
سبک دوش ہو جاؤں گا میں

دھنک

میں دھنک ہوں مرے جسم میں رنگ ہی رنگ ہیں
پیاس کا رنگ بھی
پیار کا رنگ بھی
سوز کا رنگ بھی
ساز کا رنگ بھی
لال نیلے ہرے، اودے پیلے، گلابی سبھی رنگ ہیں
رنگ بن کر میں بکھرا ہوا ہوں شفق تا شفق
درد بن کر میں پھیلا ہوا ہوں افق تا افق
پیاس بن کر سرابوں میں رہتا ہوں میں
پیار بن کر گلابوں میں رہتا ہوں میں
میں دھنک ہوں میرے جسم میں رنگ ہی رنگ ہیں
لال
نیلے
ہرے
روشنی کی جو بنیاد ہیں

رفتار

اور کچھ تیز چلو
فاصلے اُن کے تلووں سے چمٹ جائیں گے
سمٹ جائیں گے
وقت ٹھہر جائے گا
وقت اک رو ہے جسے روکنا ممکن ہے ابھی
کہکشاؤں کو ابھی چھونا ہے
سرد و تاریک خلاؤں کو ابھی بھرنا ہے
اور کچھ تیز چلو
تیز چلو
روشنی بن کے چلو

بنجر زمین

میں کہ اک تخلیقی سورج
تو کہ اک بنجر زمین
کتنے موتی بو چکا ہوں میں صدف کے بطن میں
کتنے گل بُوٹے اگانا چاہتا ہوں تیری خالی کوکھ میں
تو مگر مانند صحرا
خوبصورت، دلنشیں
بنجر زمیں
نابلد ہے اپنے سورج میں تڑپتی قوت تخلیق سے
اوس کے قطروں کو موتی جان کر ہے مطمئن
ریت کے بے انت ساگر کی طرح
ڈھونڈتی رہتی ہے، مہتابوں میں اندھی روشنی
تو کہ اے بنجر زمیں
تجھ کو اتنا بھی نہیں معلوم یہ مہتاب بھی تو میری روشن قوت تخلیق کے محتاج ہیں

تعطّلِ حیات

الیکٹرانز بدن کے مرے پریشاں ہیں
کسی بھی سمت میں بہنے کی کوئی راہ نہیں
کہیں حیات کی برق تپاں ہے خوابیدہ
خوشی نہیں جو مقدر میں کوئی غم آئے
کہیں سے زلیست کے دھارے میں زیر و بم آئے
مجھے تلاش ہے برقِ رواں کی مدت سے
جو میرے جسم کے بکھرے الیکٹرانوں کو
کسی بھی سمت میں بہنے کا حوصلہ دیدے

نیا آدم

ان گنت خلیوں میں اپنے جسم کے
کتنی تخلیقی توانائی سمیٹے
جل رہا ہوں میں ازل سے ایک سورج کی طرح
کر رہا ہوں انتظار
کوئی سیارہ مری ہی آگ سے لے کر جنم
اس خلاء کی وسعتوں میں میرے چاروں سمت قائم کر سکے اپنا مدار
ہم کشش ہو کر کریں اک دوسرے سے اتنا پیار
سارے تخلیقی عناصر منتقل کر دوں میں اس کی کوکھ میں
تا کہ ثابت کر سکوں میں اپنے خالق کا وجود

تاریک پہلو

مری دسترس میں ستارے بھی، سورج بھی اور کہکشاں بھی
مری دسترس میں ہوائیں بھی، طوفان بھی، بجلیاں بھی
مری دسترس میں سمندر بھی، صحرا بھی، کُہسار بھی، گلستاں بھی
مری دسترس میں بہاریں بھی، موسم بھی، قوسِ قزح بھی
مری دسترس میں گلوں کی مہک بھی ہے کلیوں کی رعنائیاں بھی
مری دسترس میں نم آلود ہونٹوں کی دوشیزگی بھی جواں مرمریں جسم کی تشنگی بھی
مری دسترس میں تمناؤں کے مرحلے بھی، شبِ وصل کے سلسلے بھی
مری دسترس میں عزائم بھی جرأت بھی ایقان بھی حوصلے بھی
مگر مجھ سا محروم بھی کوئی ہوگا
ہر اک شے مری دسترس میں
مگر میرے ہاتھوں میں جنبش کی طاقت نہیں ہے
اگر وہ نہ چاہے - !؟
یہی میرے انسان ہونے کا تاریک پہلو ہے شاید

لاانسان

ٹھنڈے گہرے اور تاریک خلا کی کوکھ سے اک دن
سورج پیدا ہوتا ہے
سورج اپنی کرنیں پھیلاتا ہے
سورج اپنے نقش بناتا ہے
سورج رنگوں کو پیکر دیتا ہے
سورج پھول کھلاتا ہے
سورج خوشبو بن کر پھولوں میں بس جاتا ہے
سورج آوازوں کو زیر و بم دیتا ہے
سورج افسانہ بن جاتا ہے
سورج لفظوں کو انجانے معنی پہناتا ہے
سورج شعروں میں ڈھل کر لافانی ہو جاتا ہے
سورج ذرہ ذرہ ہو کر تابانی میں بٹ جاتا ہے
پھر ایسا ہوتا ہے اک دن
ایک نیا سورج بننے کی خاطر
سورج مر جاتا ہے
شاعر بھی سورج ہی ہوتا ہے

ایک سوال

بن گیا سانپ اک عصا، حیرت!
مردہ جسموں میں روح دوڑا دی
چاند کے کر دکھائے دو ٹکڑے
اس کی قدرت کے معجزے تھے سبھی

ایک چہرے کے ان گنت چہرے
ایک آواز ساری دنیا میں
ٹیلی ویژن بھی اس کی قدرت کا
معجزہ گر نہیں تو پھر کیا ہے

کمپیوٹر

سرسراہٹ
جلتے بجھتے بلب
ٹک ٹک
اک سکنڈ سے کم میں حاصل ہو گیا دل کا جواب
راگنی سے پیار کا رنگین خواب
(فائدہ کچھ بھی نہ ہوگا) ایک دھوکا اک سراب
پیار جذبہ ہی سہی لیکن ہمیشہ سے ہے یہ خانہ خراب
عقل اک سائنس ہے
میتھے میٹک سے جو کر سکتی ہے دل کی دھڑکنوں کا انتخاب
کمپیوٹر کا غلط ہوگا بھلا کیسے حساب
فاخرہ کا ناپ تھرٹی ون، ٹوینٹی، تھرٹی ٹو
کیتھرائن کر نہیں سکتی سلیقہ سے کسی سے گفتگو
کامنی کو پائریا ہے منہ سے آتی ہے بڑی مکروہ بو
آپ کے قد سے بہت لمبی رہے گی راشدہ
سائیکو کا کیس ہیں پروین، شیلا، زاہدہ

ہو گئی بھاری بہت دلجیت کور
قد میں زیرو بن گئی سُرجیت کور
مختصر یہ ہے جہاں میں آپ کے قابل کوئی لڑکی نہیں
یا یہ کہیے آپ کی سائز کوئی لڑکی نہیں
پیار اور شادی کی باتیں چھوڑیئے
عقل اک سائنس ہے
عقل کا سنیئے جواب
کمپیوٹر کا غلط ہوگا بھلا کیسے حساب
آپ کی تقدیر میں شادی نہیں
خانہ بربادی نہیں

○

اپنے بدن کے رنگ چھپا لو
ہاتھوں میں بینائی بہت ہے

چالیس سالہ بچّوں کے لیے تین سبق

پہلا سبق

چاند ہے شیتل
سورج گرم
گھاس ہری
پنکھڑیاں نرم
پانی دو گیسوں کا نام
بہتے رہنا جس کا کام
دن اجیارا
کالی رات
دھرتی کے چکر کی بات
دھرتی اک سیارہ ہے
چاند اسی کا پارہ ہے
دھرتی گھومے موسم بدلیں
جاڑا گرمی من کو چھولیں
جب بھی آتی ہے برسات
رنگ دھنک کے پورے سات

کرنوں کی لہروں کی بات
کاہ کشاں تاروں کا جھرمٹ
تارے آگ کے گولے سورج
لال لکیریں چلتی پھرتی
آگے پیچھے بھاگتے سورج
ان دیکھی ان جانی کرنیں
سوچ کا شیشہ کرچیں کرچیں
نور کے ذرے دیکھے کون
لہریں، قوت سمجھے کون
ہر شے میں ہے ایک ہی قوت
سب کی خالق ایک ہی قوت
ایک ہی قوت کے سب کھیل
ایک ہی قوت کے سب نام
رام کہو یا اللہ کہہ لو
گاڈ کہو یا مادہ کہہ لو
ایک ہی قوت کے سب نام
ایک ہی قوت کے سب کھیل

دوسرا سبق

ہندو مسلم سکھ عیسائی
آپس میں ہیں بھائی بھائی
امریکی انگریز یہودی

ایرانی، تورانی، چینی
روسی، ترکی اور مجوسی
یہ بھی آپس میں ہیں بھائی
(پھر بھی لڑتے روز لڑائی —— رام دہائی)

سب ہیں انسان سب کے سینوں میں دل ہیں
سب کی شریانوں میں خون بھی ایک
خون میں سب کے خلیے ایک
خلیوں میں ہیں "جینز" بھی ایک
جینز میں ہیں تیزاب بھی ایک
جسموں میں اعصاب بھی ایک
مرنے کے امراض بھی ایک
جینے کے اسباب بھی ایک
یہ سب انساں آپس میں ہیں بھائی بھائی
(پھر بھی لڑتے روز لڑائی —— رام دہائی)

رنگ الگ ہیں نسل ہے ایک
آنکھیں کان اور ناک جدا ہیں
شکل ہے ایک
سر اور بھیجے الگ الگ ہیں
عقل ہے ایک
(موٹی موٹی لڑنے والی)

ہاتھ بھی ایک
ہاتھوں کے عضلات بھی ایک
ہاتھ وہی جو صحرا کھیت سجائیں
ویرانوں کو سبز بنائیں
پتھر توڑیں پھول اگائیں
دریاؤں کے رُخ موڑیں جھرنوں سے بجلی لے آئیں
بٹن سوئی اور بلب بنائیں
کھیتی باڑی کا سامان بنائیں
کپڑے اور صندوق بنائیں
پھر جینے سے اکتا جائیں تو
بندوق بنائیں
تاکہ آپس میں لڑ کر
سب بھائی بھائی مر جائیں
(بولو ہی رام —— رام نام ست ہے)

تیسرا سبق

سو سال ہوئے جب نیوٹن نے
اک پیڑ کی اونچی ڈالی سے
اک سیب کو گرتے دیکھا تھا
اور من ہی من میں سوچا تھا
دھرتی نے سیب کو کھینچا ہے
دھرتی میں کشش کچھ ہوتی ہے

یہ کشش بھی قوت ہوتی ہے

ایٹم ذرہ ہوتا ہے
ذرے کے ذرے ہوتے ہیں
ذرے کا مرکز ہوتا ہے
جب یہ مرکز توڑا جاتا ہے
ذرہ اک قوت خارج کرتا ہے
یہ قوت آگ لگاتی ہے
جو ایٹم بم کہلاتی ہے

جب پتھر تیز لڑھکتا ہے
اس میں بھی قوت ہوتی ہے
جب گیند اچھالی جاتی ہے
اس میں بھی قوت ہوتی ہے
جب تیر کمان سے چلتا ہے
اس میں بھی قوت ہوتی ہے
قوت کی قسمیں ہوتی ہیں

جب لاٹھی بھینس کو لے جاتی ہے
اک قوت یہ بھی ہوتی ہے
جب لیڈر کرسی پر چسپاں ہو جاتا ہے
اک قوت یہ بھی ہوتی ہے

جب افسر رشوت لیتا ہے
اک قوت یہ بھی ہوتی ہے
لیکن
پہلی قوت کو سائنس دان انرجی کہتے ہیں
اور دوسری قوت کو دنیا اللہ کی مرضی کہتی ہے
ان دونوں میں فرق اتنا ہے
مادہ سے جو قوت ملتی ہے
وہ سب کی بھلائی کرتی ہے
اللہ کی مرضی کی قوت
گنتی کے چند لوگوں کے کام آتی ہے
سچ پوچھو تو دنیا کی
ہر چیز میں قوت ہوتی ہے
لہروں میں قوت ہوتی ہے
کرنوں میں قوت ہوتی ہے
ہے نام حرارت قوت کا
ہر کھیل ہے پیارے قوت کا
ہے قوت نام انرجی کا
مادے سے نکلی شکتی کا
لیکن
سائنس کی یہ تو باتیں ہیں
سب دل کو سمجھانے کی گھاتیں ہیں

ورنہ

نفرت بھی قوت ہوتی ہے
اور پیار بھی قوت ہوتا ہے
دشمن بھی قوت ہوتا ہے
اور یار بھی قوت ہوتا ہے
جب پیار کسی کو دو گے تم
تو پیار ہی اس سے پاؤ گے
اور پیار خدا کو کہتے ہیں
پھر بات وہیں پر آ پہنچی
تم رام کہو یا اللہ کہہ لو
تم گاڈ کہو یا مادہ کہہ لو
سب نام ہیں ایک ہی قوت کے
سب کھیل ہیں ایک ہی قوت کے
ہم جس کو محبت کہتے ہیں

○

مذہبی بارود ہے کہنے کو ہے گیلی بہت
شہر بھر کے واسطے ماچس کی اک تیلی بہت

ایک بے نام سی خواہش نے پجارن بن کر
عمر بھر ہم کو جلایا ہے چراغوں کی طرح

دل

وصل

جب وہ میری باہوں میں ہوتی ہے
میرے بدن کی گرمی پاکر
موم کی طرح
دھیرے دھیرے
پگھلنے لگتی ہے
پھر دھیرے دھیرے
میری شکل میں ڈھل جاتی ہے
دھیرے دھیرے
"میں" بن جاتی ہے

تین موسم

لمبی کالی راتیں
کاندھوں پر پھیلائے
جب وہ
طُلوع ہوتی ہے چھت پر
سردی کا موسم آجاتا ہے

●

اوپری ہونٹ کے کناروں پر
جھلملاتی ہیں اوس کی بوندیں
اس کی بھیگی قمیض کے گوشے
شب دُلہن کی مہک سی دیتے ہیں
آنے والا ہے موسمِ گرما

●

شاید برکھا رت آپہنچی
شاید بادل برسیں گے
اس کے بدن سے پھوٹ رہی ہے
کچی مٹی جیسی خوشبو

اجنبی

زندگی کے حسیں موڑ پر
ہم مِلے
چند لمحے کِھلے
آرزوؤں کی معصوم کلیاں ہنسیں
تتلیاں سی اُڑیں
مسکراتے ہوئے لب ہِلے
گل کِھلے
زندگی کے حسیں خواب یک دم جواں ہو گئے
راستے گُلفشاں ہو گئے
دونوں ہم اجنبی تھے مگر
ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے ازل سے شناسا ہیں ہم
دونوں مُختار تھے
دونوں مَجبُور تھے
پاس ہو کر بھی دونوں بہت دور تھے
راستے تھے جدا

راستے مڑ گئے
تتلیاں اُڑ گئیں
لمحے مرجھا گئے
اجنبی کھو گئے

○

ہر حسیں چیز کو تخلیق کیا ہے ہم نے
ہم نے سوچا ہے تو وہ جسم غزل تو ہوگا

انتظار

چہرے پہ دیدبان تھے، ہونٹوں پہ کچھ سُراب
سانسوں میں احتجاج تھا نبضوں میں انقلاب
دل جیسے سونی شام کا سورج بجھا بجھا
اور جسم جیسے تیر کماں پر چڑھا ہوا
اعصاب کے تناؤ سے بجتا تھا انگ انگ
ہر رنگ آرزو میں ملا تھا لہو کا رنگ
سوچوں پہ بادبان تنے تھے غبار کے
پنچم کے سُر پہ تار چڑھے تھے ستار کے
اک رات میں ہزارہا منظر بدل گئے
لمحات پھیل پھیل کے صدیوں میں ڈھل گئے
ہیرے پہ برگِ گل کی نزاکت کا وار تھا
کس شخص کا نہ جانے مجھے انتظار تھا

آنسو

صدف نے کہا
"میرے موتی کہاں ہیں
وہ میرے ضیا پاش چمکیلے موتی کہاں ہیں"
گلوں نے کہا
"آج شبنم کہاں ہے
وہ شبنم کے شفاف قطرے
وہ سیال ہیرے کہاں ہیں"
شب تار نے رو کے فطرت سے پوچھا
"مرے بیخ شرارے کہاں ہیں
مرے جگمگاتے، چمکتے، دہکتے سے جگنوں کہاں ہیں"
فرشتوں میں سرگوشیاں ہو رہی تھیں
ستارے کہاں ہیں
دمکتے ستارے
وہ تابندہ روشن منور ستارے
وہ مہتاب پارے

جو رونق ہیں عرشِ بریں کی
کہاں ہیں
خدا نے ہر اک کی شکایت سنی
سُن کے کچھ مسکرایا
بڑے راز سے اس نے پھر راز کھولا
"صدف کے وہ چمکیلے موتی
وہ شبنم کے سیال ہیرے
شبِ تار کے آتشِ سرد جگنو
وہ رنگین و روشن ستارے
ہر اک شئے کو ہم نے
غموں کی مقدس حرارت سے پگھلا دیا ہے
اور آنسو بنا کر
جدائی سے نمناک پلکوں پہ چھلکا دیا ہے

○

تھا جن کے دل میں درد وہ انسان بن گئے
جو بچ گئے تھے صاحبِ ایمان بن گئے

ہزاروں سال سے جس کی تلاش تھی مجھ کو
وہی بہار ہو تم
(تم ایک پھول ہو، تتلی ہو، یا ستارہ ہو؟)
ازل سے جس کی ضرورت تھی میری ہستی کو
وہی حیات ہو تم
(تم ایک شعلہ ہو، بجلی ہو یا شرارہ ہو؟)
بسی ہو میرے تصور میں تم ہمیشہ سے
نہ جانے کون ہو تم!!؟
(تم اک خیال ہو، ارماں ہو، یا تمنا ہو؟)
نہ جانے کون ہو تم!!؟
(تم اک سرور ہو، مستی ہو یا اشارہ ہو؟)
نہ جانے کون ہو تم پھر بھی میری روح میں ہو؟
یا میری روح ہو تم
(جو ازل سے پیاسی ہے!)
بسی ہو میرے خیالوں میں آفرینش سے

ازل سے تم سے تصور میں ہم کلام ہوں میں
تمہارے جسم کی خوشبو چرائی ہے میں نے
تمہارے ہونٹوں کے یاقوت چھو کے دیکھے ہیں
تمہاری زلف کے سائے میں سو چکا ہوں میں
تمہاری باہوں کی محراب میں نے چومی ہے
عجیب بات ہے پھر بھی ہزار صدیوں سے
نگاہ بن کے تمہاری تلاش کرتا ہوں
(کبھی تو مجھ کو ملو گی یقین ہے مجھ کو!؟)
خدا کے واسطے آواز دو کہاں ہو تم
کہاں ہو تم ؟
کہاں ہو تم ؟؟
یا میری روح ہو تم
(یا خدا ہو تم ؟؟؟)

○

پڑھ رہا ہوں ترے بدن کا ورق
یہ بھی اللہ کا صحیفہ ہے

آدم و حوّا

ایک آدم ہوں میں
ایک حوّا ہے تو
تیرے ریشم سے لب
روح پیاسی مری
تیری آنکھیں ستاروں کے قندیل ہیں
پھر بھی ہر سمت ہے تیرگی
یہ ترا ٹھوس پتھر کی مانند جسم
نامکمل سا فطرت کا شہکار ہے
رنگ ہے گندمی
پھر بھی بھوکا ہوں میں
اور ہماری یہ جنّت نشاں سرزمیں
جس میں سب کچھ ہے لیکن ابھی کچھ نہیں
سب یہاں پر فرشتے ہیں اوتار ہیں

کوئی شیطاں نہیں
اک گنہ کے لیے میں بھی بیتاب ہوں
تو بھی بے خواب ہے
میں بھی معتوب ہوں
تو بھی محجوب ہے
کیوں کہ عارض تیرے سیب ہیں
ہائے گندم نہیں

○

اے پیکرِ خوش رنگ ذرا دیکھ ادھر بھی
اک خواہشِ بے نام مرے پاس کھڑی ہے

عشق

سڑک پر جاتے جاتے ایک لڑکی مل گئی مجھ کو
بہت ہی خوبصورت تھی
پسند آئی مجھے بے حد
نظر ملتے ہی میں نے مسکرا کر اپنے دل کا حال کہہ ڈالا
مگر وہ بڑھ گئی آگے
نہ دی اس نے توجہ کچھ بھی میری مسکراہٹ پر
میں آگے بڑھ گیا تو اور اک لڑکی نظر آئی
بہت ہی خوبصورت تھی
پسند آئی مجھے وہ بھی
نظر ملتے ہی میں نے مسکرا کر اپنے دل کا حال کہہ ڈالا
وہ شرمائی ذرا جھجکی
ذرا سا مسکرا کر اس نے مجھ کو جراتِ اظہارِ دل دے دی
زمانہ آج کہتا ہے کہ اس لڑکی سے مجھ کو عشق صادق ہے
مگر میں آج بھی تنہائی میں یہ سوچ کر حیران ہوتا ہوں
اگر وہ پہلی لڑکی بھی یہی کرتی تو کیا ہوتا

اُداسی

پھول بے رنگ
گھاس افسردہ
چپ درخت
برگ سوئے سوئے سے
ڈھلکا ڈھلکا سا رات کا کاجل
چاند بے نور آسماں گم صم
سہما سہما عجیب سنّاٹا
جھیل خاموش دم بخود تارے
کیا ہوا کچھ سمجھ نہیں آتا
میرے اللہ کیوں اداس ہوں میں

لڑکپن

چنچل لڑکا تھا من میرا
شوخ ہٹیلا بھولا بھالا
سچ کو سچ کہنے والا
پیار کا رسیا
درپن جیسا اُجلا اُجلا
چاند کی شیتل کرنوں جیسا
جھیل کی نرمل لہروں جیسا
چہلیں کرتی کوہستانی ندیا جیسا

چنچل لڑکا تھا من میرا
شوخ ہٹیلا بھولا بھالا
تم سے مل کر اور ہٹیلا ہو جاتا تھا
چنچلتا دگنی ہو جاتی تھی
پیار کے رس میں پاگل ہو جاتا تھا
درپن بن کر اپنے سینے میں تم کو بھر لیتا تھا

شیتل کرنوں، نرمل لہروں میں ڈھل جاتا تھا
تم سے پیار بہت کرتا تھا
تم پر ناز بہت کرتا تھا
لیکن اک دن تم نے جانے کیا کہہ ڈالا
میرے من کا یہ چنچل لڑکا
اک لمحہ میں بوڑھا ہو کر
اپنا لڑکپن بھول گیا

○

عمر بھر زہر پیا تیرے لبوں کو چھو کر
ہم نے چھوٹی سی خوشی کی بڑی قیمت دی ہے

سودا

شاید میں نے
سچے موتی
آنکھوں سے برسائے ہیں

جتنے آنسو
آنکھ سے ٹپکے
اتنے میں نے
پھل پائے ہیں

خون چھلکتا ہے جب آنکھوں سے ایاغوں کی طرح
جسم بھی سوچنے لگتے ہیں دماغوں کی طرح

ناپتھر

حرارت ہو تو پتھر گرم ہو کر تپنے لگتا ہے
ہوائیں سرد ہوں تو برف سا محسوس ہوتا ہے
وہ پتھر ہو کے بھی یعنی اثر لیتا ہے موسم کا
مگر وہ شخص !
اپنی ذات میں جو کھویا رہتا ہے
کسی چہرے پہ دکھ کی داستاں جو پڑھ نہیں سکتا
کسی کی آنکھ میں شبنم نظر آتی نہیں جس کو
کسی کے دل کی دھڑکن کی دھمک جس کو نہیں چھوتی

اسے کیا نام دو گے ؟
وہ تو پتھر بھی نہیں ہوتا

حادثہ

چھن سے آواز ہوئی
شیشۂ احساس گرا
روح کا الماس گرا
چھن سے آواز ہوئی
جس کو کوئی سُن نہ سکا
حادثہ ایسا ہوا
رات میں ٹوٹ گیا

حیرت

لوگ کہتے ہیں جسمِ انساں میں
رُوح یا آتما بھی ہوتی ہے
حکمِ پروردگار ہے رُوح
زیست کا بحرِ بے کنار ہے رُوح
رُوح کے جسم سے نکلتے ہی
جسمِ خاکی میں کچھ نہیں رہتا
کیسے دنیا کو اب بتائیں ہم
کب سے بے رُوح جی رہے ہیں ہم

آٹھواں سوال

اس دنیا میں کون ہے کس کا
حاتم طائی سے پوچھ سوال
نیکی کر دریا میں ڈال
پیار نہ کر پچھتائے گا
دوست بنا لٹ جائے گا
پیار فقط اک دھوکا ہے
تیز ہوا کا جھونکا ہے
ساتھ میں سب لے جاتا ہے
دُکھ ہی دُکھ دے جاتا ہے
دوست نہ بن اور پیار نہ کر
گھاٹے کا بیوپار نہ کر
نیکی کر کے جیب میں رکھ
حاتم طائی کو اور پرکھ

بزرگوں کا سچ

بزرگوں نے ہم سے کہا تھا
اگر مڑ کے دیکھا کسی نے
تو بن جاؤ گے ایک لمحہ میں پتھر
مگر میں ازل سے تھا سرکش
تجسّس مری فطرتِ ثانیہ تھا
نئے تجربوں کی تمنّا تھی مجھ کو
بزرگوں کا کہنا نہ مانا
پلٹ کر جو دیکھا

بزرگوں نے سچ ہی کہا تھا
مرے سر گھماتے ہی بستی میں پتھر ہی پتھر کھڑے تھے

پتّھر کا زمانہ

یہاں پتھر ہی پتھر ہیں یہ پتھر کا زمانہ ہے
یہ پتھر دیوتا ہے مندروں میں دل کے رہتا ہے
یہ پتھر خانہ کعبہ کا ہے جنّت سے آیا ہے
یہ پتھر سنگ بنیادِ وفا ہے یعنی اس پر دوستی قربان ہوتی ہے
یہ سنگ میل یعنی فاصلوں کو ناپنے کا خاص پتھر ہے
یہ پتھر قوت تخلیق یعنی بت تراشی کا نمونہ ہے
یہ پتھر راہ کی ٹھوکر ہے آنکھیں کھولتا ہے یہ
یہ پتھر قبر کے کتبے کا پتھر ہے
یہاں پتھر ہی پتھر ہیں جسے چاہو اسے پوجو
جسے چاہو اسے چومو
جسے چاہو اسے مارو
یہاں پتھر ہی پتھر ہیں یہ پتھر کا زمانہ ہے

جنگ

موت سے روز جنگ ہوتی ہے
روز ہار جاتا ہوں
روز جان دیتا ہوں
روز اپنے لاشے پر
قسم بہ اذنی کہتا ہوں
پھر میں جاگ اٹھتا ہوں
موت سے میری جنگ جاری ہے
صرف اس توقع پر
ایک دن تو ضرور آئے گا
موت کو میں شکست دے دوں گا

پہچان

تم کہتے ہو
تم نے سورج دیکھا ہے
جلتی شمعیں بجھتا منظر دیکھا ہے
تم کہتے ہو
تم ویرانوں سے گزرے ہو
مرجھائی کلیاں دیکھی ہیں
لٹے گھر اور اجڑی گلیاں دیکھی ہیں
تم کہتے ہو
تم نے خون میں ڈوبے کانٹے دیکھے ہیں
راہوں پر پھولوں کے تختے دیکھے ہیں
تم کہتے ہو
تم نے تڑپتی بجلی دیکھی ہے
پانی سے نکلی مچھلی دیکھی ہے
آکاش سے ٹوٹا تارہ دیکھا ہے
بے تاب مچلتا پارہ دیکھا ہے
تم کیسے آنکھوں والے ہو
پھر بھی مجھے پہچان نہ پائے

من و تو

آؤ ہم آج فیصلہ کرلیں
کون ہے کائنات کا مالک
کون دونوں جہاں کا خالق ہے
تیرا دعویٰ ہے، ہر جگہ ہے تو
میری شہ رگ سے بھی قریب ہے تو
مجھ میں تیرا ظہور ہے یارب
یعنی میں تیرا ایک حصہ ہوں
تو ہے کُل تو میں ایک ذرہ ہوں
سچ ہے یہ بات گر خداوندا
پھر تو جھگڑا ہی مٹ گیا سارا
مجھ میں تو ہے تو میں بھی تجھ میں ہوں
تو خدا ہے تو میں بھی خالق ہوں

ایک طویل داستان
کے
دو مختصر باب

پھول کھلے
تو آنسو ٹپکے
اشک گرے
تو پھول کھلے

احساس

یہ کیا چیز ٹوٹی تھی میرے بدن میں
کوئی آبگینہ ——
کوئی شاخِ نازک —؟
کوئی آسرا تھا
کوئی آئینہ تھا کہ پندارِ ہستی
بھرم تھا کوئی یا کوئی زندگی کا سہارا
یا ستارہ (مرے آسمانِ خودی کا)
کوئی چیز ٹوٹی تھی میرے بدن میں
کسی نے کہا تھا ابھی کوئی فقرہ
جو فقرہ نہیں تھا
جو پتھر نہیں تھا
جو آہن نہیں تھا
مگر پھر بھی ٹوٹا تھا کچھ میرے اندر

خدا کہاں ہے

لہو میں بارود گھل چکی ہے
فضا میں ہیں ایٹمی شعاعیں
نفس میں چنگاریاں سی اڑتی ہیں
بندوق کی گولیوں کی مانند
شمال و مشرق
جنوب و مغرب
ہر ایک جانب لپکتے شعلے
ہر ایک جانب بموں کے آہن شکن دھماکے
ہوا میں لاشوں کے جلنے سڑنے کی بو بسی ہے
تمام دنیا ہی آج دوزخ بنی ہوئی ہے
زمین بنجر نہیں ہے پھر بھی چہار سو خاک اڑ رہی ہے
بجائے گیہوں کی بالیوں کے جگہ جگہ بھوک اُگ رہی ہے
بلکتے بچے سسکتے بوڑھے

فلک کو حسرت سے تک رہے ہیں
خدا کہاں ہے؟
دِشا دِشا آگ لگ رہی ہے
طرف طرف خوں برس رہا ہے
نگر نگر زخم پک رہے ہیں
شجر شجر بھوک پل رہی ہے
خدا کہاں ہے؟

○

یہ بھی تو اک مقام ہے کچھ لوگ عمر بھر
نظارگی کے شوق میں منظر بنے رہے

خون تو ایک ہے

(ایک منظوم کہانی)

"قتل کر دو اسے یہ ملیچھ ہے مسلماں ہے"
"مار ڈالو یہ ہندو ہے بے دین ہے
دشمنِ جان و ایماں ہے"

خنجروں نے چمک دار ہونٹوں پہ پھیری زباں
تلملا کر گریں دو طرف بجلیاں
دو جگر دوز چیخیں فضاؤں میں لہرا گئیں
سارے عالم کو تھرا گئیں
خون بہنے لگا
ایک کافر کا خوں
ایک مومن کا خوں
خون جو سُرخ تھا
خون جو گرم تھا
خون ہندو نہ تھا

خونِ مُسلم نہ تھا
خون تو ایک تھا
ایک ہی طور تھا
ایک ہی رنگ تھا
خون کے گرم دھارے بڑھے
ایک کافر کا خوں
ایک مومن کا خوں
دونوں دھارے گلے مل گئے
کفر و ایماں کی تفریق جاتی رہی

اور انسانیت
قالبوں سے الگ مسکراتی رہی
دیکھ کر یہ سماں
دھرم اور دین کے رہنما دم بخود رہ گئے
اک برہمن نے گھبرا کے اک مولوی سے کہا
اپنے اللہ کے واسطے کچھ کرو
مولوی جی مساجد میں جا کر نمازیں پڑھو
کچھ دعائیں کرو
خون سے خون کیوں مل گیا
ایک ہندو کا خوں
ایک مسلم کا خوں
ہے ہے یہ پاپ ہے

دھرم کا ستیاناش ہے

مولوی نے کہا
جا کے مندر میں پنڈت جی پوجا کرو
دیوتاؤں کو راضی کرو
اپنے بھگوان کے واسطے کچھ کرو
خون کا رنگ بدلو کسی طور بھی
ورنہ اسلام خطرے میں ہے
دھرم ہندو کا مسلم کا ایمان خطرے میں ہے

لیکن انسان کا خون بہتا رہا
خون بہتا رہا
خون روتا رہا
خون ہندو نہ تھا
خون مسلم نہ تھا
خون تو ایک تھا
خون تو ایک ہے

انسان کے ارتقا کی تاریخ

ان گنت سال پہلے کی یہ بات ہے
اس زمیں پر کبھی
لوگ آباد تھے جو حقیقت میں انسان تھے
سیدھے سادے سے تھے اور احمق تھے وہ
یعنی انساں تھے وہ
اتنے احمق تھے وہ روز آپس میں لڑتے نہ تھے
کفر و ایماں کے جھگڑے اٹھاتے نہ تھے
دوستوں کے لہو میں نہلاتے نہ تھے
گھر جلاتے نہ تھے
عصمتیں ماؤں بہنوں کی لٹتی نہ تھیں
آبروئیں سر راہ بکتی نہ تھیں
ننھے بچوں کے سر برچھیوں پر چڑھاتے نہ تھے
ان میں مذہب کا کوئی بھی جذبہ نہ تھا

کتنے احمق تھے وہ

اور پھر وقت بدلا تو ایسا ہوا

چند لیڈر نما شخص پیدا ہوئے

ایک بولا کہ ہندو ہوں میں

دوسرے نے کہا میں مسلمان ہوں

ایک بولا خدا کچھ نہیں

دوسرے نے کہا تیرا پرماتما کچھ نہیں

پھر جو جھگڑا اچلا

کوئی ہندو بنا کوئی مسلم ہوا

بھائی سے بھائی کٹنے لگے

سارے انسان خانوں میں بٹنے لگے

الغرض یہ کہ کوئی نہ انساں رہا

مذہبی جوش پیدا ہوا

لوگ آپس میں لڑنے لگے

اپنے اللہ کے نام پر

اپنے بھگوان کے نام پر

خون اک دوسرے کا بہانے لگے

ننھے بچوں کے سر برچھیوں پر چڑھانے لگے

کفر و ایماں کے جھگڑے اٹھانے لگے

گاؤں جلنے لگے شہر تاراج ہونے لگے

عصمتیں ماؤں بہنوں کی لٹنے لگیں

آبروئیں سرِ راہ بکنے لگیں

مختصر یہ کہ ان لیڈروں کے وسیلے سے اب
شکر اللہ کا دیوتاؤں کا احسان ہے
اب یہاں ایک بھی شخص انساں نہیں
کوئی ہندو ہے کوئی مسلمان ہے
شکر اللہ کا دیوتاؤں کا احسان ہے
اب یہاں کوئی انساں نہیں

○

کس طرف جاتا کوئی سب راستے مسدود تھے
یعنی ہر منزل پہ میرے نقش پا موجود تھے

جو تیز رو تھے چاند کو تسخیر کر چکے
ہم چاند کی مثال سے آگے نہ بڑھ سکے

... جہاں اور بھی ہیں

ادھوری تخلیق

(ماسکو کے عجائب گھر میں سنگِ مرمر کا ایک ادھورا مجسمہ دیکھ کر)

مرے خالق
ابھی تیشہ نہ رکھ دینا
ابھی تو میں ادھوری ہوں

مجھے تو نے تراشا ہے
وگرنہ میں تو پتھر تھی
تری تخلیق ہوں لیکن
ابھی تک ایک پتھر ہوں

یہ مرے لب
مری آنکھیں
مری باہیں

مرا سینہ
مری زلفیں
یہ سب اعجاز ہے تیرے تصوّر کا
مگر پھر بھی ادھوری ہوں

ابھی تک ایک پتھر ہوں
مجھے جو دیکھتا ہے
وہ مرے ہونٹوں کو چھو کر دیکھتا ہے کہ شاید رس بھرا ہوگا
محبّت کی حرارت ڈھونڈتا ہے میری باہوں میں
سمجھتا ہے مری نرگس نما آنکھوں میں نورِ زندگی ہوگا
مرے سینے پہ نظریں گاڑ دیتا ہے کہ شاید زیر و بم ہوگا
مری زلفوں کو چھونا چاہتا ہے کہ شاید ریشمیں ہوں گی
مگر میں تو ادھوری ہوں

مرے خالق
ابھی تیشہ نہ رکھ کیوں کہ ابھی میں نامکمل ہوں
جو تجھ سے ہو سکے ممکن
تو اپنے فن کی مجھ کو زندگی دیدے
مرے پتھر کے سینے میں کسی انساں کا دل رکھ دے

رات کے رنگ

(مشہور روسی شاعر /LGIMANTAS BALTAKIS کی نظم کا ترجمہ)

دن بھی اک مصور ہے
جب کبھی مصور یہ
محو خواب ہوتا ہے
رنگ سے پگھلتے ہیں
اس کے بعد آتی ہے
رات جو اندھیروں کی
تابناک سیاہی سے
اپنا فن دکھاتی ہے
آسمان پہ اُس دم
رنگ جھلملاتے ہیں
نیلگوں سیاہی کے
نرم نرم مخمل پر
شوخ رنگ کے تارے
ایسے ٹمٹماتے ہیں
جس طرح سے بکھرے ہوں

ننھے ننھے انگارے

اور نیچے دھرتی پر
جھیل کے سکوں پرور
سرمئی سے پانی پر
شوخ و شنگ تاروں کا
ہلکا عکس پڑتا ہے
جیسے رنگ کے قطرے
پیلے پیلے دھندلے سے
سرمئی سے پانی پر
آسمان سے گرتے ہوں

رات کے مصور کی
طشتری پہ رنگوں کے
پھیلنے کا منظر ہو

بس اسی وجہ سے میں
پھر نظر اٹھاتا ہوں
اس طرف، جدھر سورج
اپنا سر ابھارے گا
رنگ پھر نکھارے گا

ایک خلاباز کا پیغام

آسمان سے اوپر
تیرگی کے مخمل پر
جگمگاتے ہیرے ہیں
بے شمار سورج ہیں

آسمان سے نیچے
میری سبز دھرتی ہے
اور سبز گولے پر
نیلگوں سمندر ہیں
اونچے اونچے پربت ہیں
بھوری بھوری دھرتی ہے
بے شمار انساں ہیں

میری پیاری دھرتی پر
بے شمار انساں ہیں

روسی اور امریکی
جرمنی و اسپینی
ہندی اور جاپانی
چینی اور افریقی
ہندو و مسلمان ہیں
سکھ، عیسائی، بودھی ہیں
رنگ رنگ کے انساں
نسل نسل کے انساں

پھر بھی سب ہی انساں ہیں
سب ہی میرے بھائی ہیں

اے زمین کے لوگو
اے مرے وطن والو
تم تو سنتے آئے ہو
آسمان سے اوپر
دیوتا ہی بستے ہیں
پھر بھی آج اک انسان
آسماں کے اوپر سے
بے کراں خلاؤں سے
آپ سے مخاطب ہے

اے مرے وطن والو
اے مری زمیں والو
آسماں کے اوپر سے
سب ہی ایک لگتے ہیں
ہندو یا مسلماں ہوں
سکھ ہوں یا ہوں عیسائی
روسی ہوں کہ امریکی
چینی ہوں کہ جاپانی
سب کے سب ہی انساں ہیں
میری سبز دھرتی پر
سب کو حق ہے جینے کا

دیوتا نہیں ہوں میں
صرف ایک انساں ہوں
پھر بھی ان خلاؤں سے
آسماں کے اوپر سے
آپ سے مخاطب ہوں
اے مری زمیں والو
اے مرے وطن والو
پریم ہی یہ فطرت ہے
پریم ہی میں قوت ہے
نفرتوں کو ٹھکرا دو
دوستی کو اپنا لو

خلا کے فاتح

راکیش
ملی شیف
استرے کالوف
زمیں کے بیٹے
خلا کے فاتح
یہ نام ہیں تین دوستوں کے
یہ نام ہیں امن و آشتی کے پیمبروں کے
یہ نام ہیں ہند و سوویت کی یگانگت کے
اڑا کے آئے ہیں جو پرچم محبت
خلا کی گہرائیوں میں جا کر
خلا کے فاتح

زمیں کے بیٹے
جنہوں نے آکاش کو چھوا ہے
چمکتے تاروں پہ جن کے ہاتھوں نے ڈال دیں کمندیں
دہکتے سورج

دمکتے تارے
خلاؤں میں گھومتی کہکشائیں
جنہوں نے آکاش کو چھوا ہے
جنہوں نے ثابت یہ کر دکھایا
کہ عزمِ انساں کی دسترس سے
کوئی بھی شے اب نہیں ہے باہر
یہ دوستی اور امن کے پیمبر
یہ ہند اور سوویت دوستی کے زندہ پیکر
زمیں کے بیٹے
خلا کے فاتح
راکیش
ملی شیف
استرے کالوف

راستہ

(بلغاریہ کے ایک مشہور شاعر کی نظم کا ترجمہ)

ڈھلتے سایوں کی ہے رہگذر سو رہے ہیں جہاں
نا امیدی کے اور یاس کے پاسباں
جنگجو اک سپاہی کی مانند مرتے ہوئے
ڈوبتے دن کے ہونٹوں پہ ہیں سسکیاں

نیلگوں شام ڈھلتی ہے بے روح سی
کوہساروں سے لائی ہے تنہائیاں
نیلگوں شام جیسے کوئی راہبہ
سُوتے جنگل میں پھرتی ہو ماتم کُناں

رینگتی رات ہے خون سا سرخ ہے آسماں
رہگذاروں پہ گرتی ہوئی غمزدہ پتیاں
آخری خواب کی موت پر ہیں اداس
آخرِ دن کے غم میں ہیں نوحہ کُناں

میں اس کو ڈھونڈنے نکلا ہوں اکثر
جو میری ذات میں کھویا ہوا ہے

ماضی سے

آزمائش

مجھ کو گلنار ہونٹوں کی دعوت نہ دے
اپنی میخوار آنکھوں کو زحمت نہ دے
خون ہی خون ہے آگ ہی آگ ہے
دھند ہی دھند ہے گرد ہی گرد ہے
مسکراہٹ کی معصوم کلیاں کھلانے سے کیا فائدہ
دل میں گر درد ہے
ہر نفس سرد ہے
اٹھ رہا ہے افق پر دھواں
جل رہی ہے چتا
جل رہی ہے ہمالہ پہ انسانیت کی چتا
آزمائش میں ہیں امن کے پاسباں

اپنے گلنار ہونٹوں کو زحمت نہ دے
میرے ہونٹوں پہ ہے سرخیِ خونِ انسانیت کی جھلک
میرے ہونٹوں نے چومے ہیں گلنار زخموں کے لب
زخم جو پھول ہیں

کھل رہے ہیں شہیدوں کے سینوں پہ گلہائے زخم
زخم جو حرف ہیں
زخم جو لفظ ہیں
لکھ رہے ہیں شہیدِ وطن اپنے زخموں سے تاریخِ نو
یہ شہیدِ وطن
زینتِ ارضِ ہندوستاں
یہ جواں
صف شکن
داستانِ شجاعت کے اوراق ہیں
لکھ رہے ہیں شہیدِ وطن اپنے زخموں سے اک داستاں
آزمائش میں ہیں امن کے پاسباں

اپنی میخوار آنکھوں سے دعوت نہ دے
میری آنکھوں میں ہے درد و غم کی چبھن
آج خطرے میں ہے اپنا پیارا وطن
عصمتِ دوستی آج خطرے میں ہے
عظمتِ زندگی آج خطرے میں ہے
وقت کی بات سُن وقت کے ساتھ چل
تیرا اصرار ہے بے محل
وقت کا فیصلہ ہے اٹل
میں سپاہی ہوں، یہ وقت ہی میرا ہموار ہے
آج رکنا مرا سخت دشوار ہے

اک طرف عشق ہے اک طرف فرض ہے
دیش کی مجھ پہ یہ زندگی قرض ہے
دیکھ وہ اٹھ رہا ہے افق پر دھواں
جل رہی ہے ہمالہ کی آغوش میں دوستی کی چتا

میرے خوابوں کی شہزادی ایسے نہ مایوس ہو
انتظارِ ملاقات میں کیف ہے
غم سے مہکی ہوئی رات میں کیف ہے
غم نہ کر میری جاں میں بہت جلد لوٹ آؤں گا
فاتحانہ تبسم لبوں پر ہے
پھول زخموں کے سینے پہ اپنے سجائے ہوئے
سُرخ رو آؤں گا
پھر تو ہمجولیوں میں بڑے فخر سے
مانگ میں اپنی سندور بھرنا لہو سے مرے
ناز سے چومنا میرے زخموں کے لب
زخم جو پھول ہیں
زخم جو حرف ہیں
زخم جو لفظ ہیں
میں مورخ ہوں انسانیت کا مری زندگی
مجھ کو لکھنی ہے تاریخ امن جہاں
آزمائش میں ہے میرا ہندوستاں

دعوتِ نشاط

اُف یہ بازو سڈول اور گورے
مست آنکھوں میں نیند کے ڈورے
لے رہا ہے شباب ہلکورے
آج تجھ میں کشش زیادہ ہے
میری محبوب کیا ارادہ ہے

شوخ آنکھوں میں کیف کے دھارے
عنبریں زُلف، ہونٹ انگارے
کھِلکھِلاتے گلاب رخسارے
کتنا رنگین حُسن سادہ ہے
میری محبوب کیا ارادہ ہے

گیسوئے زندگی سنورنے کا
حسن سادہ میں رنگ بھرنے کا
آج موقع ہے پیار کرنے کا
رہروِ وقت پا پیادہ ہے
میری محبوب کیا ارادہ ہے

آج امید بار ور ہو گی
کس کو اس راز کی خبر ہو گی
دیکھا جائے گا جب سحر ہو گی
دامنِ شب بہت کشادہ ہے
میری محبوب کیا ارادہ ہے

جگمگاتا ہے تاج دونوں کا
ہے فضاؤں پہ راج دونوں کا
بات یہ ہے کہ آج دونوں کا
ایک منزل ہے ایک جادہ ہے
میری محبوب کیا ارادہ ہے

آتشِ سرد

قیمتی وقت کو بہکی ہوئی باتوں میں نہ ٹال
دیکھ ہونے لگی بدمست دجواں رات نڈھال
چھوڑ اوہام میں لپٹے ہوئے بے کار سوال
نہ دبا اپنی اُمنگوں کی جوابی تحریک
جانِ من اور ذرا اور ہو مجھ سے نزدیک

یہ ستاروں کے دمکتے ہوئے ہیرے یاقوت
چاندنی کا یہ شبِ تار کے چہرے پہ بھبھوت
یہ فسوں کار خموشی یہ پُر اسرار سُکوت
آج تنہائی ہے مل جائے مجھے پیار کی بھیک
جانِ من اور ذرا اور ہو مجھ سے نزدیک

رات کے ساز پہ بجتا ہوا ماحول کا راگ
تیرے سانسوں میں دہکتی ہوئی جذبات کی آگ
میری نس نس میں لپکتے ہوئے احساس کے ناگ
آ بدل ڈالیں محبت کی پرانی تکنیک
جانِ من اور ذرا اور ہو مجھ سے نزدیک

یہ تیری نرگسی آنکھوں کے چھلکتے ہوئے جام
یہ فسوں کار لچکتا ہوا نازک اندام
تا بہ کے مست نگاہوں کے یہ خاموش پیام
عقل کی شہ پہ نہ کر جوشِ جنوں کی تضحیک
جانِ من اور ذرا اور ہو مجھ سے نزدیک

جوش پر آج امنگیں ہیں ارادے ہیں جواں
آرزوؤں کا ہے برپا مرے دل میں طوفاں
گرم آغوش میں تیری مجھے مل جائے اماں
سرد مہری تری اس درجہ نہیں ہے کچھ ٹھیک
جانِ من اور ذرا اور ہو مجھ سے نزدیک

نقرئی رات پہ لہرائے ہیں افسوں زرکار
روئے مہتاب پہ چھانے لگا رنگین غبار
دیکھ ہونے لگے ظاہر وہ سحر کے آثار
میرے احساس کی ساتھی میری راتوں کی شریک
جانِ من اور ذرا اور ہو مجھ سے نزدیک

ہم فرشتوں کی طرح تو نہیں بے حس بے جان
میں بھی انسان ہوں میری طرح تو بھی انسان
اتنی محتاط نہ بن وقت کی قیمت پہچان
ایک پہلو ہے محبت کا ابھی تک تاریک
جانِ من اور ذرا اور ہو مجھ سے نزدیک

○

میں گنہ گار سبھی سنگ بکف
شہر میں حشر بپا ہے مجھ سے

سگریٹ کا دھواں

ہاتھ میں سگریٹ ہے میرے اور میں ہوں سوچ میں
کتنی بے باکی ہے اس نازک دھوئیں کے لوچ میں
جیسے رقاصہ ہو کوئی محوِ گلگشتِ خرام
یا شفق کی گود میں انگڑائیاں لیتی ہو شام
جیسے بل کھاتی ہوئی ناگن کی لچکیلی کمر
جیسے شرماتی جھجکتی، کانپتی، مڑتی نظر
جیسے زلفِ عنبریں کے نرم و نازک پیچ و خم
ٹوٹتی راتوں میں جیسے ساعتوں کا زیر و بم
بادلوں کی اوڑھنی جیسے فضا کے دوش پر
جوشِ وحشت کا تسلّط جیسے عقل و ہوش پر
ماتمی پوشش میں جیسے صبح کی پہلی کرن
یا سیہ پوشاک میں ملبوس کوئی سیم تن

جھومتا اٹھتا جھجکتا بل پہ بل کھاتا ہوا
خامشی سے نغمہ ہائے زندگی گاتا ہوا
اٹھ رہا ہے اس طرح سگریٹ کے ہونٹوں سے دھواں
جیسے بڑھ کر چوم ہی لے گا جبینِ آسماں

آ موڑ دیں رُخ طوفانوں کا

بے باک ابھی احساس نہیں سنجیدہ ابھی اطوار نہیں
ذہنوں میں ابھی سلجھاؤ نہیں آزاد ابھی افکار نہیں
جینے کی ابھی تجویز نہیں مرنے سے ابھی انکار نہیں
انساں کے لرزتے ہاتھوں میں ساغر ہے ابھی تلوار نہیں
آ! موڑ دیں رُخ طوفانوں کا ساتھی یہ کوئی دشوار نہیں

اخلاص کے روشن ماتھے پہ اک زخم ابھی تک کاری ہے
دم توڑ رہی ہے ہمدردی سکرات کا عالم طاری ہے
زخمی ہے شرافت کا سینہ فوارہ لہو کا جاری ہے
ہے موت کا سایہ ہر جانب جینے کے کہیں آثار نہیں
آ! موڑ دیں رُخ طوفانوں کا ساتھی یہ کوئی دشوار نہیں

تقدیر کے مُردہ خانہ میں بے گور و کفن تدبیریں ہیں
کمزور ابھی ہے دشتِ جنوں مضبوط ابھی زنجیریں ہیں
خنجر ہیں ابھی زنگ آلودہ بے آب ابھی شمشیریں ہیں
دراصل یہ دولت مند ابھی مرنے کے لئے تیار نہیں
آ! موڑ دیں رُخ طوفانوں کا ساتھی یہ کوئی دشوار نہیں

اس جگہ مذاہب بکتے ہیں ناقوس و اذانیں بکتی ہیں
ہر شخص یہاں سوداگر ہے دن رات زبانیں بکتی ہیں
ابھرے ہوئے سینے بکتے ہیں نکھری ہوئی رانیں بکتی ہیں
منڈی ہے بڑی عیاشی کی بیوپار یہاں پہ عار نہیں
آ! موڑ دیں رُخ طوفانوں کا ساتھی یہ کوئی دشوار نہیں

بے مول اگرچہ ہے لیکن کمیاب یہاں پر روٹی ہے
جلاد یہاں ہر داڑھی ہے سفّاک یہاں ہر چوٹی ہے
ہے جھول یہاں کی ہر شے پہ ہر چیز یہاں کی کھوٹی ہے
چلتے ہیں جہاں اصلی سکّے دراصل یہ وہ بازار نہیں
آ! موڑ دیں رُخ طوفانوں کا ساتھی یہ کوئی دشوار نہیں

محفل میں کھنکتے جام بھی ہیں افراطِ مئے گلرنگ بھی ہے
گیتوں کی رسیلی گونج بھی ہے نغموں سے فضا آہنگ بھی ہے
آوازۂ رقص و رنگ بھی ہے ترتیبِ رباب و چنگ بھی ہے
گھنگھرو کے چھناکے ہر سو ہیں تیغوں کی کہیں جھنکار نہیں
آ! موڑ دیں رُخ طوفانوں کا ساتھی یہ کوئی دشوار نہیں

ماحول کی نبضیں ساکت ہیں خونخوار فضائیں ہیں برہم
ہر سمت دکھوں کا گھیرا ہے گھٹنے کو ہے احساسات کا دم
آلام کا چڑھتا طوفاں ہے آفات کی یورش ہے پیہم
منجدھار میں کشتی آ پہنچی ہاتھوں میں مگر پتوار نہیں
آ! موڑ دیں رُخ طوفانوں کا ساتھی یہ کوئی دشوار نہیں

ہر سمت تباہی ہے لیکن اک روز یہ جادو ٹوٹے گا
مزدور کا فولادی پنجہ زردار کی قسمت لوٹے گا
ظلمت کی سیہ پیشانی سے تنویر کا دھارا پھوٹے گا
مضبوط ارادوں کے مالک نادار تو ہیں بیمار نہیں
آ! موڑ دیں رُخ طوفانوں کا ساتھی یہ کوئی دشوار نہیں

پیش کش

شغل غارت گری سامانِ وغا پیش کروں
آپ فرمائیں تو دو چار خدا پیش کروں
ہوسِ تیز اگر تشنۂ سفاکی ہے
تیغ قانون، غریبوں کا گلا پیش کروں
کیف پرور نہ ہو شیشے کی اگر سُرخ پری
جام بلّور میں خونِ شہدا پیش کروں
قہقہے بار گزرتے ہوں طبیعت پہ اگر
شورشِ گریۂ غم آہ و بکا پیش کروں
آپ زردار ہیں مالک ہیں زمانے کے جناب
حکم دیجے تو بھی ارض و سما پیش کروں
خدمت خاص میں موجود ہے ہر چیز حضور
محوِ حیرت ہوں کہ اب اور میں کیا پیش کروں
ہاں اگر حکم ہو اور جان کی بخشش پاؤں
بات اک خدمت عالی میں ذرا پیش کروں
آن پہنچا ہے قریب آپ کا آخر انجام
بھوکے انسان بدلنے کو ہیں دولت کا نظام

شک

شانوں پہ تھا بوجھ غلامی کا
پیروں میں تھیں بھاری زنجیریں
مٹھی میں تھیں قید انگریزوں کی
سب اہل وطن کی تقدیریں
ایسے میں اٹھے جانباز وطن
کچھ شان وطن کچھ ناز وطن
سوتوں کو جگایا ان سب نے
اک خواب دکھایا ان سب نے
اک خواب حسیں آزادی کا
انگریزوں کی بربادی کا

پھر اہل وطن سب جاگ اٹھے
پھینکا ہر بوجھ غلامی کا
پیروں کی کاٹ دیں زنجیریں
آزاد کرا لیں تقدیریں

سالاروں نے جانبازوں نے
جو خواب دکھائے تھے ہم کو
کہتے ہیں کہ ان سب خوابوں کے
ان خوابوں کی تعبیروں کے
ہم مالک ہیں تقدیروں کے
لیکن جانے کیوں خود سے
اک بات میں پوچھا کرتا ہوں
کیا سچ مچ اپنی تقدیروں کے
اپنے خوابوں کی تعبیروں کے
ہم مالک ہیں ؟
ہم مالک ہیں !

○

تیرا بدن ہے چاند سے اُتری ہوئی کرن
میرا وجود اٹھتی ہوئی لہر کی طرح